فغانِ آرزو

جناب سید انور حسین صاحب آرزو لکھنوی

پہلا دیوان

بار اول

باہتمام منشی محمد اسمٰعیل صدیقی

ادبی پریس لاٹوش روڈ لکھنؤ میں چھپا

جناب سید انور حسین صاحب آرزو لکھنوی

کا

پہلا دیوان

باہتمام منشی محمد اسمٰعیل صدیقی

ادبی پریس لاٹوش روڈ لکھنؤ میں چھپا

باراول ۱۰۰۰

قیمت

ھو الباقی

اک نشان بے نشانی نور چشم کور ہون   ہین کہ اپنے واسطے خود ہی چراغ گور ہون

یہ چند غزلون کا مختصر سا مجموعہ جو میری اوائل مشق سے اسوقت تک کی تدریجی حالت کا آئینہ ہے نہ دیوان کہے جانے کا مستحق نہ اہل بصیرت کا سواد چشم ہان خوشنودئے احباب کی دستاویز مانا جا سکتا ہے جن مین جبیب دلنواز جناب سید آل رضا صاحب وکیل پرتاب گڑھ ورئیس قصبہ نیوتنی کی ذات خاص شکریہ کی مستحق ہے جنھون نے مصارف طبع برداشت کر کے اپنی دلچسپی کا عملی ثبوت دیا والسلام

ناچیز

انوار حسین آرزو موہانی لکھنوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

شاعری تخیل و محاکات کی سحر پردازیوں کا نام ہے فلسفہ ہو یا تصوف تاریخ ہو یا افسانہ حقایق ہوں یا معارف جب ان کی دلارائیوں کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں دلاویزی انکا کلمہ پڑھتی ہے دلربائی اُن کا دم بھرتی ہے۔ نثر ہو یا شعر سب کی دلکشی کا راز یہ ہے کہ کہنے والا اس انداز سے کہہ جائے کہ بے اثری کا نشان و اثر باقی نہ رہے اگر شعر حالت انبساط میں کہا گیا ہے تو اس میں یہ تاثیر ہونی چاہیے۔ کہ روتا آدمی ہنس پڑے اور اگر حالت حزن۔ ملال میں کہا گیا ہے تو ہنس سے ہنس آدمی بھی بیچین ہو جائے جس محفل میں پڑھا جائے اسے ماتمکدہ بنا دے۔ شعر کی صفت یہ ہے کہ نثر میں اسی بات کو بہتر سے بہتر بیان کرنے والا بیان کرے مگر وہ دلکشی وہ دلربائی پیدا نہ ہو کوئی شعر شعر کامل کہے جانے کا مستحق نہیں اگر وہ انسانی جذبات کو برانگیختہ نہ کر سکے یا سامع پر وہی اثر نہ ڈال سکے جو مقصود تھا۔

اسی وجہ سے لکھنؤ کی شاعری پر دہلی والوں کا ایک زمانہ سے یہ اعتراض رہا ہے کہ یہ حضرات حسیات اور جذبات کے سچے مصور نہیں۔ ان کے یہاں صرف لفظوں کی نمائش ہے۔ لفظوں کے گھروندے بنا بنا کر ان سے کھیلتے ہیں۔

اثر نام کو نہیں۔ سب سے پہلے اس خیال کے بے بنیاد ثابت کر دکھانے کا سہرا جناب میر انیس صاحب و جناب میرزا دبیر صاحب مرحوم کے سر رہا۔ ان کے بعد لکھنؤ میں ایسے حضرات بہت کم پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے کلام سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہو کہ وہ شاعری کی شاہراہ مستقیم پر چل رہے ہیں۔ جن بزرگوں نے اپنی سلاست مذاق کے ڈنکے بجائے ان میں حضرت تعشق بھی ہیں جن کے بیشتر اشعار میں ابتک شوریدگی پیدا کر دینے کی قدرت موجود ہے۔ آخر میں زمانہ نے ایک ایسا باخبر شخص پیدا کر دیا جو متاثر ہو جانے والا دل اور متاثر کر دینے والی زبان لایا تھا۔ اس نے چالیس سال کی مشق سخن میں یہ ثابت کر دکھایا کہ اساتذہ لکھنؤ اگر چاہیں تو ہر رنگ پر قادر ہو سکتے ہیں۔ انھیں بزرگ کے شاعرانہ پاکیزہ خیالات ہیں جو فصاحت کے سرچشمے سے نکل کر دریائے مواج کی طرح رواں ہیں کدورت کا نام تک نہیں۔ زبان کا یہ حال ہے کہ سبحان اللہ۔ بالائی سطح پر نظر ڈالنے سے تہ کے اندر ڈوبے ہوئے موتی جھلک دکھاتے ہیں۔ یہ بزرگ کون ہیں؟ آرزو جانشین حضرت جلال لکھنوی۔

اس تاجدار اقلیم سخن کا نام نامی سید انور حسین اور عرف منجھو صاحب ہے آپ سخنور معنی شناس میر ذاکر حسین صاحب یاس مغفور لکھنوی کے منجھلے صاحبزادہ ہیں آپ کے جد اعلیٰ نواب سید جان علی خان صاحب المخاطب بہ نواب تہور خان صاحب اپنے والد میر شہام علی خان صاحب کے ہمراہ ہرات سے عہد شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر میں وارد ہندوستان ہوئے اور اجمیر میں قیام کیا۔ آپ سلطنت مغلیہ کے ایک رکن ہو کر بھی وہیں مقیم رہے۔ انہیں نواب تہور خاں صاحب کے پوتے نواب

سیف الدین خان صاحب المعروف نواب میرزا گل بیگ صاحب آمیر سے لکھنؤ آئے اور یہاں شان وشوکت سے اپنی زندگی بسر کرنے لگے۔

غدر کے زمانہ میں لکھنؤ میں کس کا گھر نہ لٹا اور پرانے باشندوں میں کون تباہ نہ ہوا دولت لٹی۔ گھر جل گیا۔ ریاست بگڑ گئی۔ تسلط ہوا تو مفلسی اور فلاکت سے کام پڑا شہرت و اختیار کا دور ختم ہوا اور قناعت کے نظر کردہ گمنامی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ میرذاکر حسین صاحب جو نواب میرزا گل بیگ صاحب کے پرپوتے تھے زمانہ کے بدل جانے سے تلوار ہاتھ سے رکھکر قلم اٹھا چکے تھے اور دارآرام کی بارہ دری میں رہتے تھے۔ اسی بارہ دری میں ۸ ارذی الحجہ ۱۲۸۹ھ کو ان کے گھر میں یہ چمکتا ستارا اترا۔ اس وقت کسے خبر تھی کہ یہ گم کردگان راہ کے لئے چراغ راہ ہوگا اور بھولے بھٹکوں کو راہ پر لگائے گا۔ جناب یاس نے خود با اقبال بیٹے کی ولادت کی تاریخ کہی۔ مادہ تاریخ یہ تھا۔ ؎

بار دیگر شکر کردم از زبان

اس وقت کا لکھنؤ آج کا سا لکھنؤ نہ تھا۔ ہر شریف گھر تمیز و تہذیب کا مخزن اور منبع تھا گھر کا ہر بڑا بوڑھا یہ خیال مدنظر رکھتا تھا کہ خاندان کی منزلت کے اعتبار سے اپنے بچوں کی تربیت کرے۔ یہ چھوٹا مگر ہونہار بچہ بھی ایسے ہی بزرگوں کے آغوش تربیت میں پلتا اور سایہ عاطفت میں کھیلتا تھا۔ جب آپ پانچ برس کے ہوے تو پڑھنے کے لئے بٹھائے گئے۔ ابتدا میں پڑھنے سے طبیعت بھاگتی تھی۔ کھیلوں کی طرف زیادہ رجحان تھا۔ مگر اس ایجاد پسند اور جدت طراز طبیعت کا یہ حال تھا کہ ان کھیلوں میں بھی صنعت طرازی ہوتی تھی اور نئے نئے ڈھنگ سے کھیل کا سامان تیار کیا جاتا

تھا۔سب سے زیادہ مرغوب شغل کنکوا تھا۔نئے نئے رنگ کے کنکوے بنتے تھے اور وہیں ایلچی خاں کے میدان میں ایسے ایسے میدان بچوں کے لڑتے تھے کہ دیکھنے والے بڈھوں کو اپنا زمانہ یاد آجاتا تھا۔ایک لطیف بات یہ تھی کہ دوسرے ساتھی انکو اسی وقت سے استاد کہتے تھے۔پہچاننے والی نظروں نے یہ فیصلہ کردیا ہوگا کہ یہ لڑکا اس میدان ہی کا استاد نہیں خدا جانے کن کن صنعتوں میں کون کون سی ایجادیں کرے گا۔

اسی زمانہ میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ لہو لعب سے طبیعت پھری۔اب اس نہ رکنے والے دریا کا بہاؤ پھر تعلیم کی طرف تھا۔فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں حکیم میر قاسم علی صاحب سے پڑھیں اور اس کے بعد جو کچھ پڑھا وہ حضرت قدوۃ العلماء مولانا و مقتدانا سید آقا حسن صاحب مجتہد العصر والزمان سے۔

اب کوئی بارہ برس کا سن ہوگا کہ شعر کی طرف میلان طبیعت ہوا۔گھر میں باپ اور بھائی میر یوسف حسن صاحب قیاس جو نو برس کے سن سے شعر کہتے تھے موجود تھے ان کو شعر کہتے دیکھ کر اُن کی ہمہ گیر طبیعت کب رکتی تھی سب سے چھپا کر شعر کہنا شروع کیا۔اسی زمانہ میں ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ جسکو ان کی شاعری کی بسم اللہ کہہ سکتے ہیں۔ہوا یہ کہ ایک شاگرد کی غزل جناب یاس نے قیاس صاحب کو دی کہ اس کی اصلاح کردیں۔وہ اصلاح کی فکر میں ہیں اور یہ اُن کے پاس موجود ہیں انھوں نے بھی شعر پڑھا اور فوراً بولے "بھائی صاحب اگر یہ شعر اس طور پہ ہو تو کیسا ہے" قیاس صاحب نے ان کی صورت دیکھی اور شعر کو اسی طرح بنا دیا۔انھوں نے پوری غزل یوں ہی درست کرادی۔شام کو جب جناب یاس نے وہ غزل مانگی

تو یاس صاحب نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اصلاح شدہ غزل لا کر اُن کے سامنے رکھدی۔ یاس صاحب نے اسی دن لیجا کر ان کو سرآمد شعرائے ماضی و حال جناب حکیم میر ضامن علی صاحب جلال مغفور کا شاگرد کرا دیا۔ اس وقت ان کا سن پورے تیرہ برس کا تھا۔

ان دنوں اس شہر میں ذوق علم و ادب اب سے بہت زیادہ تھا۔ اور مذاق سلیم رکھنے والوں کی کمی ایسی نہ تھی جیسی اس وقت ہے اور نہ اہل فن کی کساد بازاری کا یہ عالم تھا۔ غواص معانی انمول جواہر نکال کر بازار سخن میں لاتے اور تحسین و آفریں کے منھ مانگے دام پاتے۔ محلہ محلہ میں ماہواری مشاعرے ہوتے تھے اور ایک عجب عالم نظر آتا تھا۔ نومشقوں کے لئے یہ مشاعرے سب سے زیادہ مفید اور سبق آموز تھے۔ حضرت آرزو نے بھی اسی میدان میں گام زنی شروع کی اور اسی کو اپنا جولانگاہ بنایا۔ آپ نے سب سے پہلی غزل نواب منجھلے آغا صاحب کے مشاعرہ میں پڑھی انجمن میں نہیں چمن میں نہیں۔ طرح تھی۔ جناب آرزو کی غزل اس مشاعرہ میں بہت چمکی اور استادوں نے یہ اندازہ کیا کہ کمال پر پہونچ کر یہ ہونہار آسمان شعر کا چاند ہوگا۔ اسی غزل کے دو شعر میں لکھتا ہوں اہل ذوق دیکھیں گے کہ طبیعت کا زور کتنا ہے اور طرز ادا کیسا انوکھا۔

مطلع

ہمارا ذکر جو ظالم کی انجمن میں نہیں ۔۔۔ جبھی تو درد کا پہلو کسی سخن میں نہیں

ایک اور شعر تھا سہ

شہید ناز کی محشر میں دے گواہی کون ۔۔۔ کوئی لہو کا بھی دھبہ مرے کفن میں نہیں

اس زمانہ کے لوگ بھی ایسے ہی ہوتے تھے کہ جہاں محلہ کا کوئی بچہ ہونہار معلوم ہوا انھوں نے عجیب عجیب انداز سے اس کے دل میں امنگ پیدا کرنی شروع کر دی تاکہ طبیعت لڑی رہے اور تھوڑے عرصہ میں وہ اپنے فن کے معراج کمال پر پہونچ جائے اسی طرز کے ایک بزرگ میرن صاحب نے آرزو صاحب کو ایک دن یہ مصرع۔

اڑ گئی سونے کی چڑیا رہ گئے پر ہاتھ میں

دیا اور کہا کہ اگر دس برس میں بھی تم اسپر مصرع لگا دو تو میں تم کو شاعر مان لوں۔ جناب آرزو نے فرمایا کہ دس برس تک زندہ رہنے کی امید یہاں کسے۔ یہی نہیں معلوم کہ ایک سانس کے بعد دوسری آئے گی بھی یا نہیں میں ابھی کوشش کرتا ہوں ممکن ہے کہ مصرع لگ جائے۔ تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد اس مصرع کو مصرع دویم کر کے ایسا مصرع لگا دیا کہ بے معنی مصرع معنی دار شعر کی شکل میں تبدیل ہو گیا ؎

(گرہ) دامن اس یوسف کا آیا پرزے ہو کر ہاتھ میں

(طرح) اڑ گئی سونے کی چڑیا رہ گئے پر ہاتھ میں

ابتدائی کیفیتیں دیکھ کر اکثر اساتذہ نے پیشین گوئیاں کیں کہ یہ لڑکا کسیوقت اپنے ہمعصروں میں ممتاز ہوگا ان جوہر شناس نظروں نے جو کچھ دیکھا تھا آگے چلکر وہی ہوا

ابتداً بہت زیادہ محنت سے اور کثرت کے ساتھ مشق شعر کی اور بڑے بڑے معرکہ کے مشاعروں میں شرکت کی تینیں خصوصیت کے ساتھ امتیاز حاصل کیا۔

اس زمانہ کے مشاعروں کی غزلیں عموماً اپنے استادی کے رنگ پر کہی ہیں دیکھنے والے دیکھیں گے کہ رنگ جلالی کیسا نمایاں ہے اور طبیعت ہے کہ منھ زور

گھوڑے کی طرح روکے نہیں رکتی۔ یہ ان کی مشق کا دور اول کہا جا سکتا ہے۔ اس دور کی حالت مشق کا اندازہ ذیل کے چند اشعار سے کیا جا سکتا ہے

مجھکو میری روش ستاتی ہے — پاؤں کی خاک سر پہ آتی ہے
چارہ گر سے چھپا رہا ہوں درد — بات کی کہ میں جان جاتی ہے
خودکشی کا آپ پر الزام دھرتے جائینگے — ہم تو مرتے ہیں مگر بدنام کرتے جائینگے
جانستان تھی نگہ ناز کہ خالی نہ گئی — اس بہانہ سے قضا آئی کہ ٹالی نہ گئی
دی ہے راحت کے بہانے مجھے ایذا کیا کیا — چٹکیاں لیتے رہے پھانس نکالی نہ گئی
ادھر پھر بھی آنا اودھر جانیوالے — ارے دل کے بیتاب کر جانیوالے
مراسوگ کیسا تری شرم رکھ لیں — یہ چہرہ پہ گیسو بکھر جانیوالے
نہال ہو کے دل داغدار دیکھیں گے — خزاں تو آئے پھر اپنی بہار دیکھیں گے
ہے شمع ہاتھ میں چہرہ پہ زلف آنکھوں میں اشک — اندھیری رات میں کس کا مزار دیکھیں گے

ابتدائی مشق کے ساتھ تحصیل فن عروض خاص طور پر جناب جلال سے کی گئی جس کی تکمیل پانچ سال میں جب جناب آرزو کا سن ۱۸ سال کا تھا ہو گئی استاد نے یہ دیکھ کر کہ یہ شاگرد اب ایسا ہو گیا ہے کہ بڑھاپے میں کچھ ہاتھ بٹا سکے اسی سال اپنے چند شاگردوں کو ان کے سپرد کر دیا کہ ان کے کلام کی اصلاح کیا کریں۔ یہاں سے آرزو صاحب کی مشق کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اہل نظر دیکھیں گے کہ اس دور کا رنگ تغزل دور اول کے رنگ سے کتنا بالا تر اور علحدہ ہے یہاں سے اساتذہ متقدمین کا تتبع شروع ہوتا ہے جس میں سے میر اور مومن کا رنگ سب پر غالب ہے اور اس پر کوئی دوسرا رنگ نہیں چڑھتا

دور دوئم کے ابتدا کی کیفیت یہ تھی ؎

پھر مرے زہد کے سامان پہ تباہی آئی　　قصد توبہ کا کیا تھا کہ جماہی آئی
اپنا بھی آہنگ ہر ایک صورت نے ایک ہے　　نغمہ بھی کرتے ہیں نالہ بھی مگر لے ایک ہے

قتال جہان معشوق جو تھے سوتے ہیں پڑے مرقد اُن کے
یا مرنے والے لاکھوں تھے یا رونے والا کوئی نہیں۔

یوں آگ لگاتے پھرتے ہو کیوں جب گرم ہوا سے ڈرتے ہو
دل پہلے جلا کر خاک کیا اب ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہو

چارہ گروں کی کوشش راحت چرخ کی دل آزاری ہے
بھاہے کا اپنے زخم جگر کے مرہم تک زنگاری ہے

تازہ وہ پھر سے ہو گئے غم تھے فلک نے جو دئے
جس نے کہ ہنس کے بات کی ہم بھی لپٹ کے رو دئے

میر و مومن کے تتبع کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ان کے کلام میں حیرت ادا اور سوز و گداز کثرت سے پایا جانے لگا۔ ذیل کے اشعار اسی دور دوئم کے آخری زمانہ کے تغزل کا نمونہ ہیں ؎

دو آنکھیں ہیں یا اک دل اُن کا بھی یہ نقشہ ہے　　وہ رستے ہوئے ساغر شیشہ یہ شکستہ ہے
متوالی وہ آنکھیں ہیں دو تو یہ شکن ساغر　　اور اس پہ اشارے بھی بس توبہ ہی توبہ ہے

ہم آنکھیں کھولے بیٹھے تھے جب سارا عالم سوتا تھا
مانند چراغ اک سوختہ تر یہ ہنستا تھا کہ روتا تھا

میں خوش ہوں ختم مصیبت سے وہ چونکے ہیں اپنی غفلت سے
اب روتے ہیں ہر ہنسنے پر یا ہنستے تھے جب میں روتا تھا
کچھ کہتے کہتے اشاروں میں شرما کے کسی کا رہ جانا
وہ میرا سمجھ کر کچھ کا کچھ جو کہنا نہ تھا بس کہہ جاتا
تلوار اٹھائی پھر رکھدی ابرو پہ بل آیا لب پہ ہنسی
بس دیکھ لی یہ ٹھنڈی گرمی جلا دینے اور ڈراتے ہو

رات مزے کی اور یہ غفلت ہے — ساری جوانی سوتے گذری
کچھ تو بقائے حال کی تدبیر چاہئے — اک عالم جنوں کی بھی تصویر چاہئے
پیری بنی جوانی ایسوں کے داغ دیکھے — بجھتے سحر سے پہلے کیا کیا چراغ دیکھے

یہاں سے حضرت آرزو کے کلام کا دور دوئم ختم اور دور سوئم شروع ہوتا ہے چالیس برس کے سن سے اب تک (کہ بفضلہ ۴۵ برس کا سن ہے) کلام کا نمونہ پیش کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ ایک ایسے واقعہ کا ذکر کردوں جس نے حضرت آرزو کی شاعرانہ زندگی میں ایک تغیر پیدا کردیا۔ علامہ جلال نے ۱۳۲۶ھ میں انتقال کیا۔ ان کے بعد ان کے تلامذہ میں جانشینی کے لئے تجویزیں ہورہی تھیں کہ جناب نواب امراؤ بہادر صاحب دلگیر خلف عالیجناب نواب علی بہادر صاحب والی باندہ لکھنؤ تشریف لائے۔ اساتذہ لکھنؤ سے دریافت کیا کہ حضرت جلال کے بعد انکے شاگردوں میں انکی قائم مقامی کے لائق کون ہے سب نے باتفاق حضرت آرزو کا نام لیا اور آپ ۱۳۲۸ھ میں جانشین حضرت جلال مقرر ہوئے نواب صاحب موصوف نے بعد کو اساتذہ

لکھنؤ کی تحریری رائے حاصل کرنی چاہیے۔ اور تقریباً تمامی اساتذہ لکھنؤ نے اس محضر پر دستخط فرمائے۔ نواب بہادر حسین خان صاحب انجم نیشاپوری مرحوم نے جو ارشد تلامذہ جناب اسیر مرحوم میں سے تھے اس واقعہ کی لاجواب تاریخ کہی مصرع تاریخ یہ تھا۔ ع

آرزو شد رکن اعلیٰ مسند آرائے جلال

اس میں شک نہیں کہ جناب جلال کے شاگردوں میں کثرت سے ذی مرتبہ اور بلند پایہ شاگرد تھے۔ مگر اس میں بھی شک نہین کہ ان کے بعد تاج سخنوری اگر کسی سر پر موزوں معلوم ہو سکتا تھا تو وہ سر حضرت آرزو ہی کا تھا۔

حضرت آرزو کے کلام سے اوایل عمری میں وہ کیفیتیں رونما ہونے لگی تھیں جو بعض اساتذہ کے یہاں آخر عمر میں نمودار ہوتی ہیں۔ دور سویم مین مختلف رنگوں پر قادرالکلامی حاصل ہو گئی۔ اسی زمانہ مین طبیعت ابتدائی فلسفہ اور تصوف کی طرف بہت زیادہ مائل ہوئی مگر محاورہ اور زبان کے معاملہ میں خدائے سخن میر کی پیروی نہ چھوٹی مشکل سے مشکل صوفیانہ اور فلسفیانہ مضامین کو ایسی صفائی اور روانی سے ادا کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ پیش پا فتادہ باتیں ہیں مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف جناب آرزو ہی کی پتھر کو پانی کر دینے والی طبیعت کا زور ہے کہ مشکل سے مشکل باتین اتنی آسانی سے نظم ہو جاتی ہیں۔ وہی بندش ہے وہی طرز ادا، وہی کوثر میں دھوئی ہوئی لکھنؤ کی میٹھی زبان۔ فلسفہ اور تصوف کے حقائق بیان ہوتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بیٹھا معمولی باتین کر رہا ہے نہ کوئی لفظ کانوں پر بار ہوتی ہے نہ کوئی چیز سمجھنے میں حائل ہے۔

فلسفہ اور تصوف کی چاٹ نے اس دور میں مرزا غالب مرحوم کا رنگ بھی پیدا کر دیا۔ مرزا غالب کو جو قبولیت عام حاصل ہے وہ اُن کے فلسفیانہ مضامین۔ طرز ادا

اور بلندیٔ خیال کی وجہ سے ہے۔ مرزا کی بلندیٔ خیال کا یہ عالم ہے کہ ہر جگہ گویا آسمان سے تارے توڑتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ فارسیت کا اتنا زیادہ زور ہے کہ کہیں عجب عجب محاورے عجیب عجیب ترکیبیں کہیں مشکل بندشیں بعض اوقات مرزا کے شعر کو معمولی سمجھ سے بالاتر بنا دیتے ہیں۔ حضرت آرزو نے رنگ غالب کی پیروی صرف تخیل و طرز ادا میں کی ہے۔ زبان میں انداز میر کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ غالباً یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اگر کوئی مرزا کی تقلید ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے کر سکتا ہے تو اتنی ہی۔ انھوں نے غالب کی اکثر غزلوں پر غزلیں کہی ہیں۔ نقاد طبیعتیں ذیل کے چند اشعار سے اندازہ کر سکیں گی کہ ان میں کہاں تک مرزا کا رنگ جھلکتا ہے ؎

دوست نے دل کو توڑ کر نقش وفا مٹا دیا
سمجھے تھے ہم جسے خلیل کعبہ اُسی نے ڈھا دیا

خوں شدہ دل اگر نہیں پھر ہے یہ اشک سُرخ کیا
اب بھی نہ تم یقین لاؤ۔ آنکھ سے تو دکھا دیا

نالے ہیں دلستاں تو پھر! آہیں ہیں برچھیاں تو ہوں!
ہم تو خموش بیٹھے تھے آپ نے کیوں ستا دیا

تابع شوق بھی ہیں ہم ان کے بھی ہیں مزاج داں
سوچ کے خط میں کچھ لکھا۔ آپ ہی خود مٹا دیا

بیٹھا ہوں اپنے قتل کا سامان کئے ہوے — یعنی خیال ناوک مژگاں کئے ہوئے
تکتا ہوں سوئے پردۂ درپن کے اجنبی — شوق نظارہ آنکھوں میں پنہاں کئے ہوئے

یوں ن پھر رہے ہیں جیسے کوئی بات ہی نہیں — آلودہ میرے خون میں داماں کئے ہوئے
وحشت ہم اپنی بعد فنا چھوڑ جائیں گے — اب تم پھروگے چاک گریباں کئے ہوئے
جوش جنوں میں وہ ترے وحشی کا چیخنا — بند اپنے ہاتھ سے در زنداں کئے ہوئے

یوسفستان محبت کا حسن بربا د آگیا — اور دل ٹوٹا جو ہنسکر بھائی سے بھائی ملا
شکست عارضی سے ہے سر سے پیر کی رونق — یہ ہے اک کاروان جسپر جمی محفل کا دھوکا ہے
آتش غم سے پھنکے زبان بھی شعلہ بے آواز ہے ہم — خاموشی میں مٹادی ہستی کیونکہ سراپا راز تھے ہم
اداؤں سے ولولے تمایاں کچھ اس طرح قتل عام کے ہیں
کہ اختیارات جیسے حاصل جفائے بے انتقام کے ہیں
عجب طرح یہ دل افسردگی میں جلتا ہے — کہ سانس لینے میں ٹھنڈا دھواں نکلتا ہے

زبان اردو پر حضرت آرزو کا خاص احسان یہ ہے کہ آپ نے بہت سے ایسے الفاظ جو زبان اردو کی جان ہیں اور سلاست و فصاحت کا ایمان اور جن کو زمانہ کی بد مذاقی نے نابود کر دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا۔ آرزو نے ان کشتگان بے گناہ کے ساتھ مسیحائی کی۔ پھر سے خلعت حیات عطا کیا۔ اور یوں ان لفظوں سے کام لیا کہ فصاحت نے بارک اللہ اور بلاغت نے اللہ اللہ کہا۔ جہاں پر ایسے الفاظ رکھدے معلوم ہوا جواہر جڑ دئے ہیں اور یہی وہ شاعری ہے جس پر لکھنؤ جہاں تک ناز کرے بجا ہے اوپر کے اشعار میں خط کشیدہ ترکیبیں اس کا نمونہ ہیں۔

میں نے شروع میں ذکر کیا ہے کہ اس دور میں ادا بندی بھی کثرت سے پیدا ہو گئی مرزا داغ مرحوم نے ادا بندی اپنا حصہ کر لیا تھا ذیل کے چند اشعار مرزا کی ادا بندی یوں

کا جواب ہیں سہ

بھری جوانی امنگ کے دن لڑیں نگاہیں کہ فیصلہ ہو بخیر انجام ہو الٰہی یہ دل کا پہلا معاملہ ہے

نہ دے سکے ٹھوکے نگاہ ناز اب سنبھل سکیں گے نہ رند مشرب

پیالہ ہے اس طرح لبالب کہ ہاتھ کانپا تو فیصلہ ہے

ادا سے بل تیوریوں پہ لانا بجا بجا کہہ کے مسکرانا

شکایت اس طرح سن رہے ہیں کہ جیسے انکو بھی کچھ گلہ ہے

یہ آرزو شیب کا زمانہ اور اسپہ اشعار عاشقانہ

بجھی ہوئی آگ کی ہے تیزی پست ہوئے دل کا ولولہ ہے

خصوصیات شعر میں سے کونسی خصوصیت ہے کہ حضرت آرزو کے کلام میں موجود نہیں ندرت

محاورات۔ جدت۔ ادا۔ الفاظ کا دروبست۔ سلاست۔ روانی سب کے سب بدرجہ اتم موجود ہیں

مگر سب سے زیادہ نمایاں چیز جو ہر نظر کو محسوس ہوتی ہے وہ خوبی زبان ہے۔ کیسی ہی سنگلاخ

زمین کتنی ہی بے مزہ ردیف قافیہ مگر انکی ہمہ گیر طبیعت زبان کے جوہر دکھا کے رہتی ہے۔

یوں کہنا بیجا نہ ہوگا کہ سہل ممتنع پر جو قدرت جناب آرزو کو ہے دوسرے لوگوں میں کم ہوتی

ہے۔ فن عروض پر جو تبحر اور زبان اردو پر جو قدرت آرزو صاحب کو حاصل ہے اُس کا نتیجہ

یہ ہوا کہ بہت سے طالبان علم و فن ہندوستاں کے مختلف حصوں سے حلقہ تلامذہ میں داخل

ہوئے۔ شاگردوں کی تعداد سیکڑوں تک پہونچتی ہے۔ جن میں سے بعض بعض نے دنیائے

ادب میں اپنا سکہ جما دیا ہے۔

بعض حضرات کو یہ تعجب ہوگا کہ جس استاد کے اتنے شاگرد ہوں وہ ان کے

کلام کی اصلاح کیونکر کر سکتا ہے مگر یہ بات ان حضرات کی سمجھ میں آسانی سے نہیں

آسکتی جنھوں نے حضرت آرزو کو اصلاح دیتے نہیں دیکھا ہے۔ پندرہ بیس شعر کی غزل درست کرنے میں حضرت آرزو کو کبھی دس منٹ سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہوتی کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مشاعرہ میں جارہے ہیں اور کوئی شاگرد آپہونچا جس کی غزل اس وقت تک بنی نہ تھی مشاعرہ کو چل کھڑے ہوئے اور راستہ میں غزل بن گئی۔ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ عین مشاعرہ کے دن پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ شاگردوں کی غزلوں پر اصلاح ہوئی ہے۔ اُن کے بعض ہمعصروں کو اس بات کا یقین نہ تھا کہ یہ اتنی غزلیں ایک وقت میں درست کر سکتے ہیں۔ مگر اتفاقاً ایک مرتبہ سندیلہ میں جب اُن کی موجودگی میں انھوں نے بات کی بات میں بیسیوں غزلوں پر اصلاح دیدی تب اُن حضرات کو یقین ہوا اور ان کے کمال کے قائل ہوئے۔ اُن حضرات نے خود ہی جناب آرزو سے اس کا تذکرہ فرمایا تھا۔

مجھے افسوس ہے کہ مقدمہ کے طویل ہو جانے کے خوف سے میں اصلاح کی کچھ مثالیں ناظرین کے سامنے پیش نہیں کر سکتا اگر زمانہ نے مہلت دی تو راقم الحروف کا یہ خیال ہے کہ ایک مفصل رسالہ حضرت آرزو کی اصلاح پر ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا سکیگا۔

آرزو صاحب نے جس آغوش میں تربیت پائی تھی اس کا نتیجہ قطعی وہی ہونا چاہیے تھا جو ہوا طبیعت میں ایک طرف تو حد درجہ کی انکسار نے فروتنی اور دوسری طرف قناعت اور استغنا نے کار دنیا سے بے تعلقی پیدا کرا دی مگر آپ کی زندگی کا زرین اصول ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ کسی ذی روح کو رنجیدہ کرنا انسان کے بدترین افعال میں سے ہے۔ جو شخص آپ سے ایک مرتبہ بھی مل لیا ہے وہ حسن اخلاق کا

شیدا و فریفتہ ہوگیا ہے۔

انسان کے اخلاق و عادات کا اثر ہمیشہ اس کی تصانیف پر پڑتا ہے ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی یہ بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ جس شخص کو دنیا کے کاموں میں کوئی خاص دلچسپی نہیں وہ اہل دنیا کی تعریف میں بیٹھئی کیوں کرنے لگا۔ اسی خلقی اثر کا نتیجہ یہ ہوا کہ آرزو صاحب کا کلام خواجہ آتش کی طرح اہل دنیا کی تعریف سے بالکل پاک ہے اپنے بزرگان دین کے سوا کسی کی تعریف میں کبھی کوئی قصیدہ نہیں لکھا۔ غزلیں اس کثرت سے کہی ہیں کہ تین دیوان موجود ہیں جس میں سے پہلا زیور طبع سے اب مزین ہوا ہے۔

مثنویاں بھی کئی لکھی ہیں جن میں سے عدل محمود اور صبح بنارس خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

قطعات و رباعیات و سلام بہت کثرت سے کہے ہیں۔ اتحاد ہندو مسلم۔ اسلام کی ابتدائی حالت اور جنگ یورپ پر جو قطعات آپ نے لکھے ہیں وہ طبع ہو کر اہل سخن کی پسندیدگی حاصل کر چکے ہیں اور خیال ہے کہ آئندہ وہ علحدہ علحدہ رسالوں کی صورت میں شائع کئے جائیں گے۔

مرثیہ گوئی کا مذاق چونکہ موروثی تھا اس لئے غزلیات کے بعد سب سے زیادہ تعداد میں مراثی کہے ہیں۔ مگر چونکہ طبیعت ہمیشہ سے جاہ پسندی سے بھاگتی رہی ہے اور اس لیے کہ اُسے ذریعہ معاش بھی نہیں بنایا اس صنف میں امتیاز حاصل کرنے کا شوق نہ ہوا۔ البتہ اس خاص صنف میں اُن کے شاگردوں میں سے بعض نے کافی ناموری پیدا کی ہے۔

نثر لکھنے کا شوق تھوڑے زمانہ سے پیدا ہوا ہے اور بعض دیرینہ احباب کے اصرار سے آپ نے پانچ ڈرامے۔ متوالی جوگن۔ دل جلی بیراگن۔ شرارہ حسن۔ جام زہر اور صدائے درویش جو سب کے سب اوریجنل پلاٹ میں لکھے ہیں۔ مگر ان سب تصانیف سے بالاتر حضرت آرزو کا وہ چھوٹا رسالہ قواعد زبان اردو پر ہے جس کو موصوف نے بیس سال کی محنت شاقہ کے بعد حال ہی میں ختم کیا ہے اس میں الفاظ زبان اُردو کے استعمال بامحل پر بحث کی گئی ہے۔ یہ ادبیات اردو میں ایک خاص قسم کا اضافہ ہے اور حضرت آرزو اس کے متعلق فخریہ طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ؎

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

امید ہے کہ چند مہینوں کے انتظار کے بعد یہ رسالہ بھی ناظرین کے پیش نظر ہوگا۔ فقط

خاکسار

وصی احمد اخگر۔ بی۔ اے ایل ایل۔ بی

وکیل چاندی خانہ

لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلوہ ہے قریب نظر اس دار فنا کا
اول وہی آخر وہی اک نام خدا کا

لائے ہین عدم سے سو ہستی نفس چند
یہ بھی کوئی دن کے لیے اک رخ ہے ہوا کا

پیوند گریبان دریدہ کا بنا لین
اتنا تو کشادہ نہین دامن بھی قبا کا

چھوٹے گا نہ جادہ کہ ہون البتہ منزل
ہے خط جبین نقش قدم راہنما کا

کھو جاتے ہین دنبال سے ترے ڈھونڈنے والے
کچھ سلسلہ ملتا ہے فنا ہی سے بقا کا

لب دوختہ کشمکش بیم و رجا ہون
اقرار نہ لب پر ہے نہ انکار خطا کا

موسیٰ یہ نظر مہر کی ہو جلنے لگے طور
کیا بانکی ادا تھی کسے مارا کسے تا کا

اے نکہت آوارہ چمن سے تو چلی ہے
رستے مین چھٹے ہاتھ سے دامن نہ صبا کا

کب دست نگر غیر کا ہے جوہر ذاتی
ممنون نہین پنجۂ گل برگ حنا کا

دریوزہ گر حرص نہ بن راہ طلب میں		دل عشق سے خالی ہو تو کاسہ ہے گدا کا

سرگشتہ رہے آرزو اور ہو گئے رخصت
اپنا ادھر آنا کوئی جھونکا تھا ہوا کا

---

(۲)

رہنے دو تسلی تم اپنی دکھ جھیل چکے دل ٹوٹ گیا

اب ہاتھ ملے سے ہوتا ہے کیا جب ہاتھ سے ناوک چھوٹ گیا

کر چھیڑ نہ او بیدرد صنم اب ناز اٹھا سکتے نہیں ہم

دکھ پر ہوئے دکھ غم پر ہوئے غم جی بیٹ ہوا دل ٹوٹ گیا

کس کام کی ایسی سچائی جو توڑ دے امیدیں دل کی

تھوڑی سی تسلی ہو تو گئی مانا کہ وہ بول کے جھوٹ گیا

منہ موڑ کے بھی اس دنیا سے دنیا کے عذابوں سے نہ بچے

دو آئے سینہ پیٹ گئے اک آیا چھاتی کوٹ گیا

آہ بس کی کشاکش کیا سہتا نازک تھا تعلق الفت کا
وہ مجھ سے کھنچے میں اُن سے کھنچا بس بیچ سے رشتہ ٹوٹ گیا

شکوہ جو کبھی لب پر لائے چپ ہو گئے وہ نشتر کھائے
آنکھوں میں کچھ آنسو بھر آئے جو آبلہ دل کا پھوٹ گیا

اے آرزو اب اِس عقدے کو رہنے دو ہیں بس حل نہ کرو
تم اُسکی گرہ کیا کھولتے ہو جو رشتہ بندھ کر ٹوٹ گیا

(۳۲)

نہ صبا کہہ پیام بلبل کا
دیکھ منہ سُرخ ہو گیا گل کا

اے عروج دو روزہ دیکھ فریب
تو ہی باعث تھا تنزل کا

جم کا عزّ و وقار کھوتا ہے
مانگنا ایک ساغر مُل کا

بخیہ جیب پر نظر پہنچی
ذکر سنتے ہی خندۂ گل کا

دیکھکر حال اُن سے کون کہے
اب یہ موقع نہیں تغافل کا

مردہ قیدی کی کٹتی ہے زنجیر | غم مین کھلتا ہے پیچ کاکل کا

آرزو کھل گئی نفس کی کڑی
ختم ہے دور اِس تسلسل کا

(۴)

یہان تو شام ہی سے اپنی آنکھون مین سویرا تھا | بجھی جاتی تھی شمعِ داغ دل اتنا اندھیرا تھا

نظر آتا تھا رہزن بھی نہ کوئی دشتِ غربت مین | ہجوم بیکسی نے بے سہارے پاکے گھیرا تھا

سمجھ لو خواب شیرین ساز و سامانِ عیش کی شب کا | کھلی جب آنکھ سوتے سے تو خیمہ تھا نہ ڈیرا تھا

نہ سمجھے دیکھکر سیر اس تماشا گاہ ہستی کی | کبھی ہم اور بھی آئے تھے یا پہلا ہی پھیرا تھا

جوانی کا زمانہ باغ عالم کی پُر آشوبی | نہ تھا خطرہ سے خالی گو کہ اک شب کا بسیرا تھا

یہ تقسیم ازل سارے زمانہ سے نرالی تھی | کہ جو کہنے کو دل میرا تھا قابو اُسپہ تیرا تھا

حجاب اٹھا نہ تھا جسوقت تک کیا تھا غم اٹھانے | مرے آنکھین تھین یا سارے عالم مین اندھیرا تھا

نہین باقی کوئی سامان راحت کا ضعیفی مین | شباب فتنہ کاہے کو تھا ہمراہ اک لٹیرا تھا

نہ حبیب رہتا نہ وہ پرسان حال ہو آرزو ہوتے
ہوا کیا بے طلب حاصل جو کچھ مقصود میرا تھا

(۵)

کچھ کہتے کہتے اشارون مین شرما کے کسی کا رہ جانا
وہ میرا سمجھ کر کچھ کا کچھ جو کہنا نہ تھا سب کہہ جانا
کہتے ہین جسے ہستی کی بنا خود ہے وہ کشاکش کی حالت
ایک ایک نفس کا بنکے چھری سینہ مین گھ آنا گھہ جانا
کچھ دل بھی اُمنڈتا آتا ہے کچھ رسنے لگے ہین چھالے بھی
ممکن ہے اب اے خون حسرت آنکھون سے ٹپک کر بہہ جانا
ظلمت کدۂ زندان مین تھے کیا لیل و نہار اسیری کے
آنکھون کے جھپکنے کھلنے کو بس جلوۂ مہر و مہ جانا
وہ گریۂ خونین کے ہاتھون دامن پہ نمایان ہے ہر جا

ان آنکھونکی کوتہ بینی نے جس داغ کوتہ درتہ جانا
کی ضبط نے پیدا شان جنون اب خبر نہین راز دل کی
کچھ بیٹھے بیٹھے کہہ اٹھنا پھر خود ہی جھجک کر رہ جانا
بیتابی ایذائے ہجران تھی پردہ درد دردنہان
بھرتے ہوئے زخمون کا پھٹنا خونناب جگر کا بہہ جانا

بس آرزو نالان بس بس جب خود ہی فغان ہر گرم نفس
آسان ہے پردہ پردہ مین سب حالت دل کہہ جانا

(٦)

روبیٹھے آخر دل کو ہم ہونا تھا جو وہ ہو گیا
اک درد تھا سو مٹ چکا اک داغ تھا سو دھو گیا
آنکھین لگائے سوئے ور کمبخت جاگا رات بھر
اُسکو کہان اسکی خبر جسکا مقدر سو گیا
جو دل تھا شمع زندگی اب شمع کشتہ ہی ہی
کل شام تک کیا تھا ابھی اور صبح تک کیا ہو گیا
غمخوار کس کا کون ہے دنیا ہے مطلب آشنا
وہ بھی دہین کا ہو رہا جو آنکے لینے کو گیا

اس بیدلی مین آرزو سمجھو غنیمت صبر کو
جو بچ رہا سنیو اوسے جو کھو گیا سو کھو گیا

(۷)
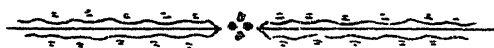
دل نہین کچھ بھی نہین جب تک تھا دل کیا کچھ نہ تھا
پاس تھا اپنے ہی سب کچھ پھر بھی اپنا کچھ نہ تھا

شوق کی احول نگاہون مین تھے روشن سو چراغ
غور سے دیکھا تو جز داغ تمنا کچھ نہ تھا

لاکھ جلوے اک حسین لاکھون نگاہین ایک آنکھ
پردہ خود بے پردگی ہے ورنہ پردا کچھ نہ تھا

ہے جہان مین اپنی امیدون کا بھی کیا سبز باغ
پھول پھل سب کچھ بظاہر ہاتھ ڈالا کچھ نہ تھا

ناز بیجا کا گلہ بیجا ہے تم کو آرزو

اُن کا کھنچنا ناز ہی جب تھا تو بیجا کچھ نہ تھا

(۸)

نالے کو مرے اے دم بجو دی تاثیر نے کیا دیوانہ کیا
نکلا تو فلک کے پار ہوا پلٹا تو مجھی کو نشانہ کیا

خط نامۂ شوق کے فرقت مین لیجانے والے بہتیرے
گہ لکھ کے بہایا دریا مین گہ دوش صبا پہ روانہ کیا

انجام اگر سوچے انسان ہو آتش رنج سے کیون بریان
مثل پروانۂ سوختہ جان ہر کام کو بیتابانہ کیا

جو جسکو جلا کر مارے گا انجام وہی اُس کا ہوگا
جسطرح کہ شمع سوزان نے تا زیست غم پروانہ کیا

دنیا کی ہوا کب تک کھاتے گھل گھل کے قفس مین مرجاتے
تھی یہ کشش آب و دانہ جو ترک نہ آب و دانہ کیا

تھا دل کو جو خوف رسوائی بستی مین طبیعت گھبرائی
ہشیار تھا تیرا سودائی آباد کوئی ویرانہ کیا

مجبور نہ تھے کیون دل دیکر پھر ترک وفا اُس سے بدتر
اے آرزوؔ اے عقل و ہنر جو تو نے کیا اچھا نہ کیا

(۹)

زمانہ بھر ہے اُس کافر نگہ کے تیر کا مارا
سوا اسکے کہ جو ہو گردش تقدیر کا مارا

سموم قہر جا تو اس چراغ صبحگاہی کو
کہ پنپیگا نہ میرے نالۂ شبگیر کا مارا

نہین اک ہونٹ ٹھنڈی سانس بھی اب لے نہین سکتا
دل افسردہ تیرے سوز بے تاثیر کا مارا

کہا جس نے کہ اب اس قید سے مشکل رہائی ہے
اُسی کے منھ پر حلقہ توڑ کر زنجیر کا مارا

طبیعت کے ہین اچھے آرزوؔ گہری نظر والے
دکھائے زخم دل کسکو نگہ کے تیر کا مارا

پھر کس کے قلمرو مین دنیا کا ورق ہوگا
پھر کس کو خبر کل تک کیا نظم و نسق ہوگا

کہدینگے وہ صاف ایدل جو امر کہ حق ہوگا
جلنے مین ترے دکھ ہین مرنے پہ قلق ہوگا

اے جوش جنون جسدن چٹکیگی کلی دلکی
ہے تنگ سا جو گوشہ صحرا لق و دق ہوگا

یہ جوش بہار گل اور ہجر کی مایوسی
چٹکی جو کلی کوئی دل سینہ مین شق ہوگا

صدمہ نہ سہی میرا نادم تو ہوئے ہونگے
آنکھون مین نہون آنسو ماتھے پہ عرق ہوگا

ہم درس محبت مین ہمدرس تھے مجنون کے
جو یاد نہین رہتا وہ اور سبق ہوگا

جب آنکھ سے قاتل کے ٹپکا تھا لہو جیتا
دم سینۂ بسمل مین دو ایک رمق ہوگا

پوشاک ہے زنگاری قاتل کی بجائے گردون
خونین کفن اپنا بھی ہمرنگ شفق ہوگا

مارا ہمین جس دل نے زندہ اسے تو پایا تھا
ہان سچ ہے تزلزل مین گیتی کا طبق ہوگا

کم کر کے بھی لکھینگے جو آرزو اس گل کو
مکتوب وہ کم سے کم دس بیس ورق ہوگا

(۱۱)

اُن کے ہنس دینے پہ خود بھی مسکرا کر رو دیا
اک غریب اپنا مقدر آزما کر رو دیا

وحشتین آگئین میری باتین وہ آگئین تھین ضرور
ہنس کے باتین کرنے والا منھ پھرا کر رو دیا

جس نے پوچھا حال کیا ہی اُسکی صورت دیکھ کر
پہلے ٹھنڈی سانس لی پھر سر جھکا کر رو دیا

مجکو بسمل دیکھکر اک منکر درد فراق
دور تھا تو ہنس رہا تھا پاس آ کر رو دیا

جس نے یہ حالت بنائی وہ بھی آج اے آرزو
چہرۂ بیمار سے چادر ہٹا کر رو دیا

(۱۲)

جوش شباب غیر طلب امن کا نہ تھا
مرجانے مار ڈالنے والا زمانہ تھا

اندازۂ ملامت عالم نہ پوچھیئے
چارو نطرف کے تیر تھے اور اک نشانہ تھا

اب لطف رنگ اُڑی ہوئی تصویر میں کہاں
ذکر شباب خواب کا گویا فسانہ تھا

پردہ کی چھیڑ چھاڑ میں ہی لطف ہی کچھ اور
وہ سامنے کہان جو اثر غائبانہ تھا

اتنا بھی بار خاطر گلشن نہ ہو کوئی — ٹوٹے وہ شاخ جسپہ مرا آشیانہ تھا

رگ رگ مین جسکی تھا اثر جلوہ زار حسن — اوس دل کا ریزہ ریزہ اک آئینہ خانہ تھا

دن کی وہ دھوپ رات کی وہ اوس آرزو

تربت پہ صبح و شام نیا شامیانہ تھا

(١٣)

ہر گل کو اس چمن کے یون زرق برق پایا — دیکھا تو ایک جانا سونگھا تو فرق پایا

داغون کا سوز دیکھا ہستی مٹانے والا — خرمن کا دانہ دانہ ہمشان برق پایا

بیدید بے ترے تو شب کیا کہ صبح کو بھی — آنکھون نے اک اندھیرا تا حد شرق پایا

طے کر کے منزلین بھی مقصد کو ہم نہ پہونچے — جب آنکھ اوٹھا کے دیکھا تھوڑا سا فرق پایا

ہم دل کے ڈوبنے پر آنسو بہا رہے تھے — دیکھا تو آپ کو بھی خجلت مین غرق پایا

دل سے رگ گلو تک وہ فاصلہ ہی کیا تھا — دشواریون کے حلقون کو سو کا فرق پایا

چاک جگر سے پہونچی تکلیف ٹتے ٹتے — ہان التیام پایا تو بعد خرق پایا

سوزش مٹی نہ دل کی اے آرزو ابھی تک
ہر چند بحر غم مین ہر وقت غرق پایا

(۱۴)

جو راتون کو جاگا کرتے ہین یہ پیام اُنھین پہونچا دینا
نالون سے بھی ناممکن ٹھہرا سوتی قسمت کا جگا دینا
فرقت مین یہ جوش گریۂ غم کافی ہے ڈبو دینے کے لئے
ہے نقش بر آب مری ہستی جب خود نہ مٹون تم مٹا دینا
کیا پوچھتے ہو اے ہم نفسو کیون ٹھنڈی سانسین بھرتا ہون
پنکھے سے ہین گویا دل مین لگے زخمون کا ستم ہے ہوا دینا
جو دکھ مین ہین خود اے زندہ دلو وہ کسکی خوشی کر سکتے ہین
آتا ہے تو بس دل کے ہاتھون رونا اتنا کہ ہنسا دینا
روتے روتے آنکھین پھوٹین سوزش ہے وہی داغ دل کی

دو چشمون سے ممکن نہ ہوا اک چنگاری کا بجھا دینا

دیوانگی دل کی ہم سے بیکار شکایت کرتے ہو

اب ہم یہ تمھین کو دیدین گے تم آپ اسے سمجھا دینا

بیہوش کو ہوش آنا ممکن کھویا ہوا ملجانا ممکن

ڈھونڈے سے خدا پانا ممکن ناممکن اپنا پتا دینا

دکھ درد کا مارا دل خود ہے کیون آہ و فغان سے روکتے ہین

کیا آرزو آپ بھی سیکھ گئے اُس ظالم سے ایذا دینا

(۱۵)

جی جلا کیا جو آج اک سخت جان مارا گیا
آگ دیدی خون نے خنجر جہان مارا گیا

سوکھتا تھا عشق اُس سے حسن نے کھینچی تھی تیغ
دل کی شامت تھی کہ آکر درمیان مارا گیا

آگے اوس تیر نگہ کے سب جہان ہے صیدگاہ
اک یہان گھائل ہوا تو اک وہان مارا گیا

کسقدر غصہ مرے قاتل کا تھا بے امتیاز
مر رہا تھا آپ جو وہ نیم جان مارا گیا

خون ہوئیں یا وہ وفائیں حسرتیں بھی لیکے ساتھ
اک مسافر کے لیے سبکا رواں مارا گیا

بن گئی تیر آخر شب انتہائے انتظار
ہے خدا شاہد کہ میں وقت اذاں مارا گیا

موت تو برحق خوشی دشمن کی لیکن شاق ہے
غم یہ ہے مجھکو کہ زیر آسماں مارا گیا

باغ عالم سے چلا ناواقف سیر بہار
ہوں وہ طائر جو میان آشیاں مارا گیا

لالہ و گل میں ہوا گلگلی محشر تک زمیں
بسکہ جس جا کوئی حسرت نشاں مارا گیا

کوئے قاتل کی طرف کشتہ کا پھر جانا ملا ہے منہ
دل میں کہتا ہے جو کوئی یہ کہاں مارا گیا

آرزو قاتل وہ نکلا جسنے دی دل میں جگہ
وائے غربت گھر بلا کر میہماں مارا گیا

(۱۶)

آکے قاصد نے کہا جو وہی اکثر نکلا
نامہ بر سمجھے تھے ہم وہ تو پیمبر نکلا

وائے غربت کہ ہوئے جسکے لیے خانہ خراب
سنکے آواز بھی گھر سے نہ وہ باہر نکلا

دل نے اس چاہ زنخداں میں ڈبویا مجکو
یہ دغا باز بھی یوسف کا برادر نکلا

شرح اک حرف محبت کی نہ تھی کچھ آسان — لوگ گھبرا گئے شکوون کا جو دفتر نکلا

ہم پشیمان تو ہوئے کھو کے بھرم نالون کا — بارے حد شکر کہ کچھ دل سے ترے ڈر نکلا

ابھی پہونچا تھا قدم تک نہ سر عجز و نیاز — تیوریان چڑھنے لگین میان سے خنجر نکلا

تھی کسے کشمکش ہجر سے امید نجات — تن مین جان آئی جو دم سینہ سے کھنچکر نکلا

آرزو ہمتو حیات ابدی لیکے پھرے
لوگ کہتے ہین وہ اس کوچہ سے مرکر نکلا

---

(۱۷)

اس بیوفا سے قاصد اب کیا پیام کہنا — جاتا ہے تو تو اچھا میرا اسلام کہنا

چشم وفا کا الزام آنکھون کو ہوتے دل پر — ایسا یہ ہے کہ جیسے شیشہ کو جام کہنا

نا آشنائے الفت دعوائے پختہ مغزی — بیجا نہین ہے اسکو سودائے خام کہنا

گر شمع ہون سراپا تو بھی نہین ہے ممکن — دل کی جلی کٹی کا قصہ تمام کہنا

کس تجربہ پہ ناصح جائز کیا ہے تونے — اسکو حلال کہنا اسکو حرام کہنا

یوسف کا واقعہ کیا تم نے سنا ہوگا
اللہ راس لائے اپنا غلام کہنا

کچھ پاس ہیروت تجکو کسی کا بھی ہے
کہنا برا اور اسپر لے لیکے نام کہنا

کچھ ٹالنے کی حد بھی ہے یہ تیری بے زبانی
ہر شام صبح کہنا ہر صبح شام کہنا

کی احتیاط جتنی اُتنا ہی کام بگڑا
اپنے سے بن نہ آیا اپنا پیام کہنا

غصہ کی ہر ادا ہے جامہ سے اپنے باہر
تلوار کو ہے لازم اب بے نیام کہنا

کاٹے زبان وہ ظالم ہلجائے ہونٹ بھی گر
مشکل ہے آرزو اب کوئی کلام کہنا

(۱۸)

جو سخن اُس زبان سے نکلا
تیر گویا کمان سے نکلا

کم نہ تھی تیغ سے ادائے خرام
دوست دشمن کی شان سے نکلا

تھے نمائش میں ایک شوق و ہوس
فرق کچھ امتحان سے نکلا

مرحبا ناز آفرین قاتل
کھنچ کے خنجر بھی میان سے نکلا

سانس بھی منھ سے دلجلے نے جو لی
ایک شعلہ زبان سے نکلا

دل ہجوم ہوس سے نکلا خوب
اور بڑھی آن بان سے نکلا

امتحان مین وہ بیوفا بے مہر
بڑھ کے میرے گمان سے نکلا

بخیہ گر پھر رہی ہے شان جنون
کہ گریبان نشان سے نکلا

آرزو عشق مین ہے یہ طریق
یہ چلن اس جوان سے نکلا

(۱۹)

نادان کی دوستی مین جی کا ضرر نجانا
اک کام کر تو بیٹھے اور ہائے کر نجانا

نادانیان ہزارون دانائی اک یہی کی
دنیا کو کچھ نجانا اور عمر بھر نجانا

ملتا پتہ اسی سے کچھ میری خودگی کا
اپنی بھی غفلتون کو او بے خبر نجانا

ہین کوچۂ طلب مین اے دل ہزار خطرے
پھرنا جہان بھر مین لیکن ادھر نجانا

نادانیون سے اپنی آفت مین پھنس گیا ہون
بیداد گر کو مینے بیداد گر نجانا

جانکا ہی محبت ہمنے تری بدولت | کیا چیز زندگی ہے یہ عمر بھر نجانا

ہم آرزو اسے بھی سیدھی سی بات سمجھے
گو طنز کی تھی اسنے اب اٹھکے گھر نجانا

(۲۰)

ختم ہی ہو نہ سکا عشق مین جو کام ملا | کوچہ گردی سے نہ تھک کر کبھی آرام ملا

چین پا سکتے تھے کیا میرے ستانے والے | ایکجا درد کو بھی دل مین نہ آرام ملا

کھینچکر آہ زمانیکی جو حالت دیکھی | تو چراغ ایک بھی روشن نہ سر شام ملا

ہے ابھی مادۂ سوز نہان بے تکمیل | کہ ہر آبلۂ قلب و جگر خام ملا

مین نے دل دیکے یہ جانا کہ خریدا یوسف | اور وہ اس مال کو سمجھے ہین کہ بے دام ملا

وحشت آباد محبت مین سبھی ہین مجنون | جو ملا نامور اس ملک مین گمنام ملا

زلف اسوقت ہوئی تیر نظر کی ممنون | کہ پھڑکتا ہوا نخچیر تہ دام ملا

تجربے تجربہ کارون کے نہ کچھ کام آئے | کہ نیا کارگہ عشق مین ہر کام ملا

آرزو کانٹے ہی کانٹے فقط اِس باغ مین تھے
گلبدن ہمکو نہ کوئی سمن اندام ملا

(۲۱)

پردہ در حیا تھی خود کچھ نہ ہمین حجاب تھا
آنکھ کھلی تو یہ کھلا ہم وہ نہ تھے شباب تھا

ولولۂ گنہ مین تھی خوف عذاب کی جھلک
رنگ مرے شباب کا کھلتا ہوا خضاب تھا

جرم ہوس کی ہمکو تو جیتے ہی جی سزا ملی
سانس نہ کہیے پھانس تھی دم نہ تھا اک عذاب تھا

ہائے فروغ سوز غم کیا مین کہون وہ دن تھے کیا
اب جسے داغ کہتے ہین غیرت آفتاب تھا

ضبط سے کیا فراق مین سہل تر اشک کا گلہ
آنکھ تو آنکھ ہی ہے پھر دل بھی تو آب آب تھا

رہتا مرے بیان مین ربط کہان سے ہمنشین
ذکر شباب فتنہ کا بھولا ہوا سا خواب تھا

ہنسنے پہ مین جو رو دیا رونے پہ تم بھی ہنس دیے
جو ابھی دیکھ چکا ہون مین یہ تو وہی جواب تھا

عہد وفا کا آرزو اور یہ آسمان پیر
اوسکی تو کمسنی تھی خیر آپ کا تو شباب تھا

(۲۲)

پیچھے غبار قافلہ آگے جرس گیا
دل میر کاروان تھا کہ بے پیش و پس گیا

خالی نہ عندلیب کا سوز نفس گیا
وہ لو چلی کہ رنگ گلون کا جھلس گیا

تھا پوچھنا مزاج جو اُس شہسوار کا
پہونچی وہین تک آہ جہان تک فرس گیا

صیاد کا برا ہو کہ جبتک رہی بہار
بیدرد روز باغ مین لیکر قفس گیا

رو کر خجل ہوئے رسن زلف کے اسیر
بھیگا جو آنسوؤن سے تو بند اور کس گیا

ابتک تو اُسکے زیور گل کی پھبن ہے یاد
پھولون مین کیا بسا کہ مرے دل مین بس گیا

چھوٹے نہین ہین ساغر خالی کو بادہ نوش
پھر دیکھتا ہے کون جب آنکھون سے رس گیا

ترسے ہوون کی بزم مین ساقی کا دست فیض
ٹکڑا تھا ابر کا کہ اُٹھا اور برس گیا

آنکھون نے جب سے کھولدیا راز آرزو
صورت بھی اُنکی دیکھنے کو جی ترس گیا

(۲۳)

حال مرا ابتر تھا کیا شب جب وہ محو زینت تھا
اپنے سراپا ناز کے آگے میں بھی سراپا حسرت تھا

حسن کی فتنہ پردازی سے شک بڑھا دلسوزی میں
دیکھ کے مجھکو جلنے والا میرا چراغ خلوت تھا

رات گزرنا بیچینی سے چین یہی ہے عاشق کا
درد جو کچھ تھا میٹھا میٹھا وہ بھی حسب ضرورت تھا

حسن کی افزونی بھی گویا سوز غم کی ترقی ہے
اب ہے وہی خورشید محشر کل جو چراغ خلوت تھا

صبر کبھی کا ہے کو کیا تھا عشق کی لیکن مجبوری
ٹھنڈے دل سے ہوتا کیونکر کام خلاف عادت تھا

دید کی حسرت آرزو اب تو دنیا اولٹے دیتی ہے
ترسی نظریں وعدۂ فردا اک سامان قیامت تھا

(۲۴)

یہ اُسکے ایک اشارہ نے قتل عام کیا
قضا نے جسکے تصدق مین اپنا نام کیا

نہ کچھ پیام سنایا نہ کچھ کلام کیا
جو قاصد آیا تو جھک کر بجھے سلام کیا

بڑا ہے کام ترے آگے لب ہلانا بھی
ہوے کلیم جو رک رک کے بھی کلام کیا

سکھائی جنکی نزاکت نے خودکشی مجھکو
وہ جانتے ہین کہ مینے بھی کوئی کام کیا

قدون کا باڑھ پر آتے ہی ہوگئی آفت
نگاہِ ناز نے اعلان قتل عام کیا

زبان تک نہ ہلی اُن کے روبرو اے شمع
ترے سکوت نے قصہ مرا تمام کیا

پھنسا کے زلف مین دل آرزو نہین معلوم
اسیر دام ہوے یا اسیر دام کیا

(۲۵)

بیکار رہی فرقت مین ہمنے ہاتھون سے نہ کیا کیا کام لیا

اوٹھے تو سنبھالے دل اوٹھے بیٹھے تو کلیجا تھام لیا

قاصد سے مرے یون ہی نہین کد ہے عاقبت اندیشی بیجد
سوچا کہ جواب بنے نہ سند نامہ نہ لیا پیغام لیا

سرمست شراب شوق یہ تھا الزام بڑا خودداری کا
اے لغزش پا تو نے اسدم اک گرتے ہوئے کو تھام لیا

محفل مین بہم مانع تھی حیا ہوے مطلب اشارون ہی مین ادا
باتون کا اگر موقع نہ ملا آنکھون سے زبان کا کام لیا

فرقت مین ہے گردش بخت عدو غم کے ہین سرور مین بھی پہلو
دل بھر آیا ٹپکے آنسو چھلکا کے جو ستمے کا جام لیا

برخواستہ خاطر ایسے تھے روکے نہ رکین گے اب جیسے
پھر اوٹھتے اوٹھتے بیٹھ گئے جب اوس نے گریبان تھام لیا

چھیڑا جو کسی نے دیکے قسم ظاہر وہ ہوا پنہان تھا جو غم
جب بیٹھے تھے جسکی یاد مین ہم بولے تو اوسیکا نام لیا

گو ضعف سے اوٹھ بھی نہ سکتے تھے اُن تک پہونچے گرتے پڑتے
اس دل سے خدا سمجھے جس نے جو ہو نہ سکے وہ کام لیا
دم بھر بھی قرار بھلا ہے کسے بیتابیٔ درد فرقت سے
بیہوش رہے تو یہ سمجھے بس اتنی دیر آرام لیا
اے آرزو اب کیا ذکر اوسکا جانے دو جو وہ بیدید گیا
پھر مجھسے کوئی ہو گا نہ بُرا اگر آج سے دل کا نام لیا

---

(۲۶)

لگے گی دنیا مین آگ ہر سو کہ ضبط سوز نہان نہ ہو گا
جو دل سے نکلا تو دیکھ لینا یہ اک شرارہ کہاں نہو گا
یہ مرغ تصویر کی فغان ہے یہ دل کی گونگے کے داستان ہے
جو حال سننا تمھین گران ہے وہ خود ہمین سے بیان نہو گا
عیان ہی درد نہان کی شدت کہین چھپی بھی ہی روتی صورت

اگر فغان مین ہے کچھ کرامت تو ضبط بھی رائگان نہ ہوگا

نہ شکل پروانہ جل رہے ہین نہ شمع بنکر گھل رہے ہین

یہ راہ اس طرح چلرہے ہین کہ پاؤن کا بھی نشان نہوگا

خزان مین کیا بڑھ کے ہین گلون سے جو بہنے دین آشیان کے تنکے

وہ کام خود ہم ہین کرنے والے کہ تجھ سے اے باغبان نہوگا

جہان جہان دل مین درد سا ہے وہ زخم قاتل نگاہ کا ہے

مگر اسے کون مانتا ہے پڑے گا ناوک نشان نہ ہوگا

جو ترک کردی وفا پرستی نہ ہوگا ویرانہ اور نہ بستی

جہان کی ہستی ہے اپنی ہستی جو ہم نہ ہونگے جہان نہ ہوگا

پڑے ہین گو سوز غم کے پالے نہ کھاکے چرکے کرین گے نالے

جلیں گے پابند ضبط والے جلین گے لیکن دھوان نہ ہوگا

گداز ٹپکیگا خود قلم سے جمین گے کاغذ پہ خون کے لختے

ہم اوس کی تصویر کھینچ دین گے جو آرزو سے بیان نہوگا

(۲۷)

یاری تجھسے کیا کی پیدا ہر اک سے یارانہ چھوٹا

احباب چھٹے اغیار چھٹے ہمسرا اپنا بیگانہ چھوٹا

دل سیر ہوا ہی جلنے سے منہ باندھے ہوے چپ بیٹھے ہین

کھانا کیسا پینا کیسا پانی چھوٹا دانہ چھوٹا

کس مست سے ساقی آنکھ لڑی بے مے پئے کیفیت ہوئی

اس ہاتھ سے بوتل چھوٹ پڑی اُس ہاتھ سے پیمانہ چھوٹا

بیڑی جو تری منت کی پڑہی پہونچا اثر اسکا اوس جا بھی

وہ قید جنون اوس نے توڑی وہ تیرا دیوانہ چھوٹا

کل کہتے تھے ہم کچھ حال دلی اونپر بھی تھی محویت طاری

اُس لطف مین یاد نہین یہ بھی کس جاسے وہ افسانہ چھوٹا

تھا سوز جدائی تو جتنا تیرے بھی اثر کو دیکھ لیا

کیون آگ مین اپنی جل نہ بجھا جب شمع سے پروانہ چھوٹا

بس آرزو اپنے مشرب کی تھی بادہ پرستی اتنی ہی
جس دن سے چھٹا اک متوالا اُس دن سے میخانہ چھوٹا

(۲۸)

جگر کی آگ نے ہر ایک عضو تن جلا ڈالا
اسی پوشیدہ چنگاری نے سب خرمن جلا ڈالا

وہ دل جبو دل ہی نکلے گرم نالے غم مین عاشق کے
چراغ اک تھا جسے رکھکر سر مدفن جلا ڈالا

ملین الفت سی دو شاخین کہ فوراً آگ لگ اوٹھی
یہ بجلی اسطرح کوندی کہ سب گلشن جلا ڈالا

نہوگا نرم دل اُس بت کا دم بھر کو بھی اے نالو
نتیجہ کیا جو پھونکا سنگ یا آہن جلا ڈالا

کفن مین یون ہین ہم جسطرح خاکستر مین چنگاری
نبجھے شعلے نے اپنا آپ پیراہن جلا ڈالا

بدی کا مستحق انسان نیکی کرکے ہوتا ہے
جو بجھنے سے بچی اُس شمع نے دامن جلا ڈالا

گلہ ہے آرزو اوس سے نہ جلنے کا نہ بجھنے کا
جلائی جس نے پہلے جان اور پھر تن جلا ڈالا

(۲۹)

جب نہ داغ فراق دلبر تھا
دل نہ تھا بے چراغ اک گھر تھا

جادۂ جستجو مرا گھر تھا
نقش پائے حبیب بستر تھا

وعدہ کر کے کیا تھا قید اوسنے
مین تھا ہر وقت اور مرا گھر تھا

اوس زمانہ سے ہون مین حلقہ بگوش
سادگی جب بتون کا زیور تھا

دل ترا موم سے بھی نرم سہی
مگر اپنے لیے تو پتھر تھا

جب دوائے مرض نہ کی اوسنے
کس مرض کی دوا وہ دلبر تھا

یاد مژگان کی تھی خلش جب تک
دل کی ہر رگ مین ایک نشتر تھا

وہ مرا اعتبار کیا کرتے
خود مجھے اعتبار کس پر تھا

آتے آتے جو رک رہے سر شام
تم کو کس روسیاہ کا ڈر تھا

آرزو وہ برے کسی سے نہین
یہ برا اپنا ہی مقدر تھا

(۳۰)

ماتھے کی شکن بنکر غم دل کا عیان ہوتا
سینہ پہ چھری پڑتی چہرہ پہ نشان ہوتا

ہم آپ ہی باعث ہین اس خانہ خرابی کے
اوس کوچہ مین جا بستے جنت مین مکان ہوتا

یہ دل کہ نگاہون مین اک منظر حسرت ہے
بستا جو نہ اول ہی آشوب جہان ہوتا

وہ قصہ درد آگین چپ کر دیا تھا جسنے
تم سے نہ سنا جاتا مجھسے نہ بیان ہوتا

اے شمع خموشی ہی اوس بزم مین اچھی تھی
دل جلتا تو لو اوٹھتی بجھتا تو دھوان ہوتا

وہ تند ہوا اون پر بنیاد ہے طوفان کی
یا تم نہ حسین ہوتے یا مین نہ جوان ہوتا

چپ رہتے جو محشر مین اے آرزوئے داد اکرم
ہر زخم دہن بنتا ہر تیر زبان ہوتا
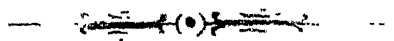
(۳۱)

گھر نہ جبتک دل خستہ تری تصویر کا تھا
اک نمونہ کسی بگڑی ہوئی تعمیر کا تھا

قید کچھ بڑھ گئی تھی کوشش آزادی سے
ہاتھ پابند ہے پاؤں کی زنجیر کا تھا

جس نے بیگانہ بنایا وہ محبت ہے تری
ورنہ میرا ہی سا نقشہ مری تصویر کا تھا

کیا ہوا کس نے لیا یہ تو خدا ہی جانے
دل کا سینہ میں پتہ تھا نہ ترے تیر کا تھا

میں تھا اس شوق میں خاموش کہ وہ کچھ بولے
منتظر اپنی جگہ وہ مری تقریر کا تھا

شکل دیکھا کیے دانتوں میں قلم داب ہوئے
کہ نہ تقریر کا موقع تھا نہ تحریر کا تھا

آپ احسان جتاتے ہوئے کیوں آئے ہیں
ابھی نالہ جو کیا تھا اسی تاثیر کا تھا

پیچ کے چلنے سے پھنسا گیسوئے پیچ میں دل
آرزو کچھ بھی نہیں پھیر یہ تقدیر کا تھا

(۳۲)

سرخ ہر ذرہ کوئے قاتل کا
خشک قطرہ ہی خون بسمل کا

زخم کیونکر دکھاؤں میں دل کا
خون ہلکا ہے میرے قاتل کا

دل تو ٹھیرا ہوا ہے بسمل کا
ہاتھ کیوں کانپتا ہے قاتل کا

ہے رہ شوق مین دل مایوس | جھلملاتا چراغ منزل کا
اون کا رخ بھی ہے میرے دل کی طرح | آئینہ دار اپنی محفل کا
یہی شیشہ صدا نہین دیتا | حسرت آگین ہے ٹوٹنا دل کا
ہے ادا جانستان قضا کیسی | نام بدلا ہوا ہے قاتل کا
اب کہان چین اے خیال حبیب | ہائے تو درد بنگیا دل کا
موج سے ڈوبی عمر کی کشتی | آج پایا نشان ساحل کا
دیکھ دیکھ اسے نگاہ زود کرم | ہاتھ بڑھنے نہ پائے سائل کا
تم تو جاتے ہو مین یہ ڈرتا ہون | وقت آجائے پھر نہ مشکل کا
اس دھندلکے مین راہ کیا سوجھے | ہے جوانی سواد منزل کا

آرزو آئینہ وہ توڑ دیے کیا
شک مگر ہو گیا مرے دل کا

ظاہر مین تو ظاہر تھا باطن مین نہان مین تھا
خود بھی یہ نہین واقف لیکن کہ کہان مین تھا

سب لطف اُسی جا تھے القصہ جہان مین تھا
اے بیخودی الفت آخر یہ کہان مین تھا

دیتی ہین پتہ آنکھین اک اور تجلی کا
کہنے کو کہے نالہ کل شعلہ فشان مین تھا

کہتے ہین وہ ہنس ہنس کے تھا کون فدا مجھپر
جی چاہتا ہے ابتو خود کہدون کہ ہان مین تھا

بلبل نہین پروانہ اور کہیئے تو ہے تہمت
باتین وہ بناتے ہین کب نالہ کنان مین تھا

آنسو کہین دامن پر دامن کہین کانٹون پر
ہر منزل حسرت مین عبرت کا نشان مین تھا

حال دل اشتر کی تاثیر د جانب تھی

ہوش اون کے پراگندہ آشفتہ بیان مین تھا

ہر رنگ مین ظاہر تھی میری ہی پریشانی
نالون کے شرر مین تھا آہون کا دہوان مین تھا

تھی آرزو اپنی ہی یہ شرم یہ بے شرمی
پروانے کی خاموشی بلبل کی فغان مین تھا

(۳۴)

آج وہ بام پر نہین آتا — نظر آتا نظر نہین آتا

ضبط سوز نہان معاذ اللہ — آبلہ کیون اوبھر نہین آتا

آگے جاتا نہین خیال اوس کا — جا کے وہ بے خبر نہین آتا

ہے شب ہجر کسقدر تاریک — جس مین تارا نظر نہین آتا

ابتو اونکے مریض غفلت کو — ہوش دو دو پہر نہین آتا

ادب آموز ہے زبان کا سکوت — صبر دل کو مگر نہین آتا

آرزو دل مین جب ہے سچائی
کیون زبان مین اثر نہین آتا

۳۵

پانی کا رنگ آتش غم سے بگڑ گیا
جو اشک جس جگہ پہ گرا داغ پڑ گیا

ہے قصد ضبط آہ کمان ستم کا تیر
سینہ مین سانس رکتے ہی پیکان سا گڑ گیا

زنجیر ضبط کشمکش غم نے توڑ دی
شعلہ اوٹھا جو حلقہ سے حلقہ رگڑ گیا

لطف بہار کچھ نہین گو ہے وہی بہار
دل کیا اوجڑ گیا کہ زمانہ اوجڑ گیا

طوفان کی ہے موج یہ ہستی بے بقا
اک نقش دم زدن مین بنا اور بگڑ گیا

عہد شباب کیا ہے عروسی کی ایک رات
سب شام کا سنگار سحر تک اوجڑ گیا

کیا دلشکن تھی نزع مین ظالم کی ٹھنڈی سانس
شیشہ تھا گرم سرد ہوا بال پڑ گیا

اوٹھے جو آپ توڑ کے بیمار غم کی آس
اک سانس لیکن غریب نے لی دم اوکھڑ گیا

تھا آرزو فریب تسلی رفوئے خام

آئی ہنسی جو زخم کو ٹانکا ادھڑ گیا

(۳۶)

یہ الفت کا قرینا کیسا
مر گئے کسی پر جینا کیسا

ہاتھ سے اون کے چاک ہوا جو
پھر وہ گریبان سینا کیسا

ہجر میں لیکن پینا کیسا
نشہ میں کی خوب مصیبت

چاند سا اوسکا منھ نہیں دیکھا
گذرے دیکھیں مہینا کیسا

اوڑے دل کی جان ہے تالہ
وہ پھر ہو کے جینا کیسا

عشق لہو پانی کرتا ہے
خون نہیں تو پسینا کیسا

آرزو اب تم خود دل جاؤ
دوست سے دل مین کینا کیسا

(۳۷)

ره عجز مین سر جو خم هوگیا | گریبان رکاب قدم هوگیا

لکھا حال دل کچھ تو انگشت سان | شہادت کو حاضر قلم هوگیا

جفا سے بھی وه ہو گئے ستمکش | دل باوفا بے ستم هوگیا

زمانے کی وسعت نے تنگا دل غنچہ | یہ جام تنگی جام جم هوگیا

اثر آتش تر کا ساقی نہ پوچھ | لگی آگ دامن جو نم هوگیا

ٹپکتے ہی کاغذ پہ کچھ اشک خون | سب احوال پنہان رقم هوگیا

خدا کو پکارین کہان جاکے اب | کہ کعبہ بھی بیت الصنم هوگیا

مگر یہ بھی تھا جذب بے امتیاز | کہ دل اپنا پابند غم هوگیا

وه ترک آج غصہ مین بھرا آرزو
کہا کچھ کہ خنجر علم هوگیا

(۳۸)

دل کا جس شخص کے پتا پایا | اوسکو آفت مین مبتلا پایا

مین نے تو درد جانتے ہی پایا
آپ نے دل دکھا کے کیا پایا

نفع اپنا ہو کچھ تو دو نقصان
مجھکو دنیا سے کھو کے کیا پایا

ہوئے مجبور دل سے عشق مین کیا
جیسے ہر شخص نے دبا پایا

سب خطا اضطراب شوق کی تھی
تیر قاتل کو بے خطا پایا

اوسنے انجام پر ہوا افسوس
جو طرفدار آپ کا پایا

کوئے حسرت مین دل کا سرمایہ
کچھ کہین کچھ کہین پڑا پایا

دست گستاخ آرزو کانپا
جب وہ دامن پھٹا ہوا پایا

---

(۳۹)

خود بھی وہ تڑپے گا جو تڑپائے گا
صبر کیا عاشق کا خالی جائے گا

ہو گی حاصل عشق مین جس کی مراد
نامرادی کا مری غم کھائے گا

دین گے کب تک ہجر مین غمخوار ساتھ
جب اکیلا ہون گا جی گھبرائے گا

بیکسی مین بھی گذر ہی جائے گی — دل کو یون اور دل مجھے سمجھائے گا

بے تسلی قتل بسمل کب ہے سہل — ہاتھ جو ماروگے خالی جائیگا

تیرے دیوانے کا زندان تنگ ہے — جس طرف جائیگا ٹکرائے گا

طول مہند آرزو اچھا نہین — مطلب دل دیکھو پھر رہ جائیگا

---

(۴۰)

اے نگہ دلفریب کیا یہ ستم کردیا — حوصلے جب بڑھ چلے ربط کو کم کردیا

تجھسے ہی مشکل نباہ مرتے تھے اس غم سے ہم — پھیر کے تو نے نگاہ اور ستم کردیا

غم یونہین دوگے اگر کیون نہ جلے گا جگر — آتش و خس کو مگر تم نے بہم کردیا

پھیر نہ ہم پر چھری اے نفس زندگی — آمد و شد نے تری نالہ مین دم کردیا

رکھتی تھی فرقت کی آگ دیدہ و دل سے جو لاگ — اسمین لگا دی اک آگ اور اسے نم کردیا

دیکھے فریب و دغا پوچھ لیے دل کے راز — اے نگہ التفات تو نے ستم کردیا

تم نے مرے شوق کی بوسہ مین حد دیکھ لی | ہونٹھونپہ جان آگئی لب جو بہم کردیا

یہ سخن اے آرزو عشق کا مارا ہے تو
کون سی تھی گفتگو بزم کو سہم کردیا

(۴۱)

بیمروت سے دل لگانا کیا | آزمائے کو آزمانا کیا
شان سے عاشقی کی رسوائی | شرم کس بات کی چھپانا کیا
یون بھی مشکوک ہوگا نامۂ شوق | لگ گیا جو اوسے مٹانا کیا
عاشقی کا شباب ہی مین ہو لطف | پھر بھی آئے گا یہ زمانہ کیا
شوق اپنی زبان سے خود ہی | راز دل کا زبان پہ لانا کیا
پوچھنا اوس سے کیا جو کہہ نہ سکے | جو نہ سمجھے اوسے سنانا کیا
اب تو آنسو ٹپک پڑے سرِ بزم | ٹالین کیونکر کرین بہانا کیا

آرزو چپ ہو صورت تصویر

عشق کا اک یہی ہے بابا

(۴۳)

قول ہر تجلی مین ہے اپنے دل آگاہ کا
موت ہے یاد اک ستم کی نام لے اللہ کا

پھر خدائی کی قبضہ ایک جنت کیا ہے چیز
ہاتھ آجائے فقط دامن رسول اللہ کا

بند آنکھین رہ و کی پیش ظلمات ہوس
دوہری تاریکی کیا کھٹکا الٹی سیدھی راہ کا

ڈر سے تاثیر زبان کے ہو گیا ہون ست اوپر
ہر گھڑی یا مارنا ہے کھینچ لینا آہ کا

بند کر چشم طمع راہ صداقت دل سے پوچھ
اک چراغ غول ہے نقش قدم گمراہ کا

ہو گئے ہین الجھا الفت مین اپنے روز و شب
گھٹنا بڑھنا داغ کا جلوہ ہے مہر و ماہ کا

پاؤن کیا پکڑیگی خارستان حسرت کی زمین
خود کھینچیگا ہر قدم تلوے سے کانٹا راہ کا

موج تھی اوسکی کہ اک پھیرا ادھر بھی ہو گیا
خیر اوب اب نہ آئیگا فقیر اللہ کا

لو اودھر کی لگ گئی ہو سلے ہوا سے دہر ہٹ
آندھیون سے بجھ نہین سکتا کنول درگاہ کا

اوڑکے لپٹا ہاتھ سے قاتل کا دامن آپ ہی
حوصلہ کیا ورنہ میری ہمت کوتاہ کا

قبر سر حد شاہراہ عدل کی ہے آرزو
ایک اس منزل مین بستر ہو گدا و شاہ کا

(۴۴)

ہستی کی حقیقت کو گر بعد فنا جانا
اب سوچے تو کیا سوچے اب جانا تو کیا جانا

کہہ سکتا ہے کیا کوئی جب تک یہ نہ ہونا ہے
مین نے تجھے کیا سمجھا تو نے مجھے کیا جانا

وہ رنگ حقیقت مین ڈوبا ہوا ہے جس نے
ہر رنگ کو دنیا کے نیرنگ قضا جانا

زندان کی عمر قید ہی تھی اسے نہ کچھ کم تھی
ماتھے کے پسینے کو خون کفن پایا جانا

اک شوق کے اندھے کو درکار نہیں آنکھیں
اچھا بھی ہے تو کیا ہے جب دل نے برا جانا

خود اپنا مسیحا ہے الفت مین وہ آزاری
جس نے سم قاتل کو اک تلخ دوا جانا

پھر تیغ قاتل کو دل کہتا ہے نادانی
سمجھا بھی تو کیا سمجھا جانا بھی تو کیا جانا

آزار جدائی سے واقف تھا نہ دل پہلے
جب تلخ ہوا جینا الفت کا مزا جانا

تجلی سے جھپک جانا بیساختہ آنکھوں کا

اور یاد کوئی جلوہ اے آرزو آجانا

---

(۴۵)

ہو جب کوئی حصہ سوز نہان کا
تو جنت کہان کی جہنم کہان کا

نہ اترا مرا نشہ تا دور دیگر
کہ حسرت ہی اک یہ بھی پیر مغان کا

سوز ہر مائل ہے اک خوگر غم
آرست دیکھیے کیا یہ حسبکا زبان کا

زبان تو نے پائی ہے اے شمع کیسی
کہ تاب خموشی نہ یارا بیان کا

دیے دل نے پرشوق سے دوست ہنگر
بغل مین یہ بیٹھا تھا تو ہی کہان کا

چلی برق پھیلا کے شعلہ کا دامن
کہ تنکا بھی ضائع نہ ہوا آشیان کا

ہم آواز بلبل ہون اے آرزو مین
مرا دوست ہی ہر عدو باغبان کا

---

(۴۶)

آہ وہ کھینچی کہ محفل سب کو برہم کر دیا
آج دو حرفوں میں ہم نے شکوہ ختم کر دیا

راز کیونکر چھپ سکے تدبیر کیونکر بن پڑے
بیخودی کو عشق نے سب پر مقدم کر دیا

بن سکے آئینہ کا پردہ رخ کے اوڑتے رنگ نے
راز پنہاں کا زمانے بھر کو محرم کر دیا

شکریہ اے امید تو نے تشنۂ دیدار کو
تھوڑا تھوڑا سا دیا اور وہ بھی کم کم کر دیا

او نگاہ بے مروت کھو کر اپنے فریب
اک ذرا سی تھی خوشی دل میں جسے غم کر دیا

چھپتے چھپتے روشنی نے شعلۂ فانوس کی
رات کیسی ایک حصہ عمر کا کم کر دیا

آرزو بے موت مارا کھینچ کر قاتل نے مجھے
اس قدر حسرت میں تڑپایا کہ بیدم کر دیا

---

(۴۷)

غم تو ہے کچھ ایک ہی سا شوق و ہوس کا
نکلیں تو کھلے فرق اسیران قفس کا

کیا اس کی کشاکش سے بچیں [illegible]
اک رشتۂ پیچیدہ ہے ہر تار نفس کا

پہنچی بھی نہیں رستے ہی میں تھک گئیں نگاہیں
کچھ فاصلہ اتنا ہے نشیمن سے قفس کا

مشتاق کو وہ وعدۂ فردا ہے قیامت
جو چند مہینوں کا نہ دو چار برس کا

وارفتہ بنا دیتے ہیں دل کے کوئی حال
اب یہ مرے قابو کا نہ ہوا آپ کے بس کا

ہے بزم طرب راہ سفر یاد وطن میں
نغمہ سے نہیں کم مجھے نالہ بھی جرس کا

اے آرزو اس باغ میں پھولوں سے کہیں تک
بہتر ہے اپنا وہ نشیمن کہ ہے خس کا

(۴۸)

زخم بازو سے ہے گہرا زخم دل نخچیر کا
اوس نگاہ ناز سے ہلکا ہے پلہ تیر کا

ترکش صیاد ظالم دل ہے اوس نخچیر کا
جسکا ہر نالہ نکلتا ہے خود سے پیکان تیر کا

المدد اے زور وحشت آچلی فصل بہار
کھینچتا ہے جیسے پھر کوئی سرا زنجیر کا

تیر تیغ پر لگا کر دل میں کیا چھپا ہے ہم
اون کا اف کرنا کہ جانا آہ سے تاثیر کا

دل صفائی میں ہی شیشہ جذب میں آئینہ ہے
اس ورق کے دونوں ہی جانب ہے رخ تصویر کا

چھٹ گئے قیدی تیرے بیٹھے ہیں اس کوچہ میں ہم
ٹوٹنا ممکن نہیں اس قید بے زنجیر کا

کس سے بیدردی ہوئی تجھسے ظلم دیکھا
ہاتھ بھی دل پر نہ رکھنا کھینچ لینا تیر کا

ہین یہان تڑپا وہان وہ کروٹین لینے لگے
ہان مرے درد جگر یہ ہے مزہ تاثیر کا

ہے تصور کی روش وحشت مین کیا معجزنما
کان تک آتا نہین غل پاؤن کی زنجیر کا

درد پنہان نے دیا عاشق کا ہر پیکر مین ساتھ
رنگ اڑا جاتا ہی چہرہ سے مری تصویر کا

کثرت عصیان بچائیگی مجھے روز حساب
کاتب اعمال کو وقفہ نہین تحریر کا

اس ہوا خط کے صدقے اور بھی دل پھٹ گیا
چاک کرکے بھیجنا کیا فرض تھا تحریر کا

ڈھونڈھتے پھرتے ہین اسکو دہن جو موہوم ہے
آرزو کچھ بھی نہین ہے پھیر ہے تقدیر کا

---

(۴۹)

سلسلہ اوس لٹ سے کیا ہو گیا
جان کو دل خود ہی بلا ہو گیا

دل سے کھینچی ضعف مین اسطرح آہ
جیسے کہ اک فرض ادا ہو گیا

جب نہ دوا درد کی کچھ ہو سکی
درد ہی آخر کو دوا ہو گیا

وضع کیے حسن نے آئین ناز | ظلم غریبوں پہ روا ہو گیا

دیکھتے ہی دیکھتے اے آرزو
حال ترا کیا سے یہ کیا ہو گیا

---

(۵۰)

لگی نے کہنہ قصہ تازہ افسانہ بنا ڈالا
کہ گل کو شمع اور بلبل کو پروانہ بنا ڈالا

تصدق چشم ساقی کے فدا اپنے تصور کے
جب آنکھیں بند کر لیں ایک پیمانہ بنا ڈالا

وہ وہ باتیں بھی پیدا کی ہوئی تھیں بدگمانی کی
زباں نے طول دے کر شکوہ افسانہ بنا ڈالا

جنوں کے شغل بیکاری نے کی کیا کارپردازی
کہ دیواریں گرا کر گھر کو ویرانہ بنا ڈالا

مال ظاہر میں خفتا ہے زمیہ حسن باطن کا
نہ سمجھے حرمت کعبہ تو بتخانہ بنا ڈالا

وداکی آزمائش کون سا کار ضروری تھا
کر اک اچھے بھلے کو تم نے دیوانہ بنا ڈالا

خبر تھی میری تمنا تیر تھی اسے آرزو کتنی
کہ جس نے جیسا چاہا ویسا افسانہ بنا ڈالا

(۵۱)

چٹکی وہ لی ہنسی میں کہ دل کو دکھا دیا
کی ہم نے دل لگی مگر اوس نے رولا دیا

عادی بنا کے لذت آزار نے مجھے
غم کی خلش کو دل کی تمنا بنا دیا

دیکھے دل شکستہ کو ملت فروش عشق
کعبہ تو ایک کا فریب دین نے ڈھا دیا

جس دم ہوا بدل گئی دنیائے ضبط کی
ایک ایک سانس نے غم دل کا پتا دیا

اب راز دل چھپانا ہے بے سود آرزو

لی مین نے ٹھنڈی سانس تو وہ مسکرا دیا

(۵۲)

ملتے ہی نظر دل کا نہ سینے مین پتا تھا
اس سوچ نے دیوانہ بنایا کہ یہ کیا تھا

بن نہ سکا تو بنا مورد الزام تغافل
مین آپ ہی گم تھا وہ مجھے ڈھونڈھ رہا تھا

طے کرنے مین طوفان زمانہ دل نالان
اک زور مین بہتے ہوے دریا کی صدا تھا

اس وقت کہ تھی ہوش ربا چشم ادب مین
بیٹھا تھا سو بیٹھا تھا کھڑا تھا سو کھڑا تھا

آواز چلی آتی تھی پردہ کے ادھر سے
معلوم نہین یہ وہی بت تھا کہ خدا تھا

وہ جبر کہ جو تھا سبق آموز تحمل
ظاہر مین تو اک درد تھا باطن مین دوا تھا

اے آرزو اس مرتبہ پھر موسم گل مین
لایا ہے وہی رنگ کہ اک زخم ہرا تھا

(۵۳)

خود غرض میل پھر بڑھانے لگا ‏— جب ذرا دل کو صبر آنے لگا

دل گیا یون کہ اب نہ آئے گا ‏— خیر بہتر ہوا ٹھکانے لگا

آسرا توڑ کر خجل ہو گے ‏— پھر کوئی ناز کیون اوٹھانے لگا

نیک نکلا مآل جور ستم ‏— کہ اب اللہ یاد آنے لگا

آرزو پھر دیا نظر نے فریب
شوق پھر دل کو گدگدانے لگا

---

(۵۴)

چپ لگی ہے کیون نہ یہ منہ سے بیان اصلا کیا

جب بہت چھیڑا کسی نے ہاے کا نعرا کیا

تھا ہمین ذکر وفا پر آہ کرنا کیا ضرور

سادگی دیکھو کہ دل کا راز خود افشا کیا

راستی کو کیا وہ جانے جس کے دل مین ہو فریب

بات سیدھی سی بھی سنکر دیر تک سوچا کیا

مر کے حاصل کی تھی ہم نے رنج فرقت سے نجات

پھر تمھیں پہ جان دینگے تم نے کیون زندا کیا

تھے نظر مین قبل سے پیش آنے والے واقعات

خواب تھا یہ بھی کہ بند آنکھون سے مین دیکھا کیا

سانس سینے مین چلی پھر کند خنجر کی طرح

کیا مسیحائی تھی جس نے کام قاتل کا کیا

منہ سے منہ تمنے ملا کر روح گویا پھونک دی

مرحبا اک ہجر کے مارے کو کیا زندا کیا

مر رہا تھا جو تڑپ کر جان دی اوس نے تو کیا

اوسکا دل دیکھو کہ جو چپکا کھڑا دیکھا کیا

ہو گئے محو دید کھو گئے آرزو نے ہوش بھی

کوئی پوچھے تو یہ او دیوانے تو نے کیا کیا

(۵۴)

جاتے ہو تم اگر تو جاؤ دل بھی سنبھل ہی جائے گا

دو گے تسلیان اگر پھر نہ قرار آئے گا

پوچھتے ہو تمھین تو خیر کہتے ہین ماجرائے غم

یہ بھی سنائے رکھتے ہین تم سے سنا نہ جائے گا

صدمۂ بیکسی نہین چھٹنے کا دل کے رنج سے

یہ نہین پھر کے آنے کا صبر تو آ ہی جائے گا

سکر کی کوئی بھی حد سے کم مری بیخودی سے ہے

نشہ کرے ہزار مے ہوش کبھی تو آئے گا

روک نہ مجھکو ہمنشین مین ہون کہین تو دل کہین

پھاڑون گا جیب و آستین دامن اگر دبائے گا

رکھتے ہین مثل شمع غم نکلے گا رفتہ رفتہ دم

کھائین گے رنج خاک ہم رنج ہی ہم کو کھائیگا

آرزو آپ عشق سے آئینۂ وفا ہوئے
اوتنا چمکتے جائین گے جتنا کوئی مٹائیگا

(۵۵)

نازپھر لگا دیکھے تیر بے کمان اپنا
طالب مداوا ہے زخم بے نشان اپنا

نے نوا ز رسوائی بن گیا ہے ہر نالہ
خود ہوا ہون مین غماز بن کے رازدان اپنا

قابل گلہ خود ہے ادعائے مظلومی
آہ دلخراش اپنی نالۂ جانستان اپنا

مستقل قدم گر ہین جادۂ تباہی پر
جائین گے وہین ہم بھی دل گیا جہان اپنا

سبزہ سب سے بیگانہ ہو گیا ہے بو گل کی
اس چمن مین کیا ٹھہرے کون ہو یہان اپنا

مدت جوانی ہے حوصلون کو ناکافی
رات یہ بہت چھوٹی خواب ہے گران اپنا

بند ور شکستہ پر اب ہوس یہ کہتی ہے
خود قفس مین آ جائے کھینچ کے آشیان اپنا

آرزو جوانی مین بہہ سکے گی کیا توبہ

رائیگاں کرے کیونکر قول خود زباں اپنا

(۵۶)

خموشی ہی شمع پھر کہنے لگی سوز نہاں میرا
زباں پر جب ہو قابو بنے کیوں رازداں میرا

خموشی معنیٔ دارد کہ در گفتن نمی آید
مجھی پر ختم ہے دنیا میں انداز فغاں میرا

اک آئینہ ہے جسکی پشت ادھر ہے رخ سوئے دنیا
یہی او ترا ہوا چہرہ کہ جو ہے رازداں میرا

اٹھی دل کی ہوک کیوں لب تک آ کے لفظ بنجاتا
کہا اک ناشناس ہی رہ مشتاق بیاں میرا

جہاں میں منظر حسرت ہوں عبرت کا فسانہ ہوں
گیا ہو مٹ کے قائم میری ہستی نے نشاں میرا

بہشت پر کہ جس میں مرغ جاں ناخوش بھی ہے خوش بھی
کبھی تو ہے قفس میرا کبھی ہے آشیاں میرا

ہے نازک ہاتھ لنگر دار تیغ اور سخت جان عاشق
لے بس ہنسنے بھی وہ تم اور لوگے امتحاں میرا

نوشتہ بخت بد کا بن رہا ہے شکوہ بیجا
بدلتی تیوریاں سب لکھتی جاتی ہیں بیاں میرا

کشش گل سے نہیں کچھ کم چمن کے پتہ پتہ میں
اب ایک اک شاخ پر سو سو جگہ ہے آشیاں میرا

زباں بیکار نازک وقت قصہ زندگی بھر کا
کہیں گی حال دل کھل کھل کے کب ہچکیاں میرا

اب اوس بیگانہ خو کو آرزو اپنا کہوں کیونکر
جو کہنے میں نہیں میرے وہ دل ہی ہی کہاں میرا

(۵۷)

بڑھا کچھ اور بدگوئی سے حسن داستاں میرا
خدا کی شان ہے اوبت زباں تیری بیاں میرا

جفا سے ہے وفا دست و گریباں دیکھیے کیا ہو
اودھر ہے امتحاں اون کا ادھر ہے امتحاں میرا

چمن کی شاخ شاخ اک موجۂ باد مخالف ہی
کہاں تک تنکے چنوائے گا مجھ سے آشیاں میرا

اوکھڑ کر سانس کیا ٹھیرے گی طوفان حوادث میں
جہاز عمر کہتا ہے کہ ٹوٹا بادباں میرا

ہوئیں بوسیدہ کڑیاں عمر کی طول اسیری سے

کڑکتا ہے ہر انگڑائی مین ایک اک استخوان میرا

عوض تنکون کے گر بستا کسی غنچہ مین بو بنکر
نگاہ باغبان مین کیون کھٹکتا آشیان میرا

حدین امکان کی جسدن سمجھ لین ہو گیا ظاہر
کہان تک ہے زمین میری کہان تک آسمان میرا

یہ ہے اک آتش سیال غم پانی کی صورت مین
بھڑک اوٹھے گا شعلہ اشک ٹپکیگا جہان میرا

ملی ہے قید بال و پر مین کیا محدود آزادی
کہ یہ اوڑتا قفس خود بن گیا ہے آشیان میرا

وہ دل امڈا وہ ہوک اوٹھی وہ سانس اوکھڑی وہ دم ٹوٹا
وہ گھبرا کر اوٹھا پہلو سے میرے رازدان میرا

سمجھکر کشتنی یون آرزو اس نفس کو مارا
کہ ہے اب خون سے میرے ہی دامن خونچکان میرا

(۵۸)

دورنگی بت نا آشنا نے لوٹ لیا
وفا کا بھیس بنا کر جفا نے لوٹ لیا

چھپی تھی شہد مین تلخی نہان حیات مین موت
دغا دغا کہ فریب وفا نے لوٹ لیا

جو دل خدا کی امانت تھا وہ بھی پاس نہین
دوہائی ہے بت کافر ادا نے لوٹ لیا

کچھ اوسکا پاس کچھ اپنے کیے کی شرم و حیا
کہ یہ بھی کہہ نہ سکے دلربا نے لوٹ لیا

قدم قدم پہ ہین ڈاکے متاع دل کیسی
بچا تھا ناز سے جو کچھ ادا نے لوٹ لیا

رہین وہ دل کی امنگین نہ وہ شباب کا جوش
عنایت بت صبر آزما نے لوٹ لیا

امید وصل مین جان آرزو گئی آخر
مجھے مری ہوس نا روا نے لوٹ لیا

(۵۹)

جب آپ اپنے کام کے قابل نہین رہا
پھر اور کوئی چیز ہے وہ دل نہین رہا

کانپا جو دست جرم پکاری کرم کی شان
اب یہ قصور عفو کے قابل نہیں رہا

ہے عارضی جنون اثر بیخودی شوق
اک پردہ دار لایق محمل نہیں رہا

ہچکی تھی وقت نزع صدائے شکست قید
یعنی وہ بند وبست سلاسل نہیں رہا

کام آ گئی جھکے ہوئے بازو کی کپکپی
رکنے سے ہاتھ خنجر قاتل نہیں رہا

سیلاب ہے کہ گریۂ بے اختیار شوق
دم بھر بھی اک مقام پہ ساحل نہیں رہا

افسردہ دل کی جمع حسرت میں قدر کیا
بجھکر چراغ لایق محفل نہیں رہا

تھیں ہتکڑی میں ہاتھوں کی بیچینیاں وہی
دیوانہ اپنے کام سے غافل نہیں رہا

انجام کس سے پائیگا یہ کار بیخودی
جب آرزو وہ جوش بھرا دل نہیں رہا

---

(۶۰)

پاس رسوائی کہانتک دل جب اپنا جل گیا
راز غم جسمیں چھپاتے تھے وہ پردا جل گیا

قطرہ ایک اک اشک غم کا آتش سیال تھا
بہکے جتنی دور آیا وتنا چہرا جل گیا

سبز قدمی کے اثر کی ہیں قدمی دیکھیے
جسکی شادابی پسند آئی وہ صحرا جل گیا

ساقیا نقصان جان ہے تیرا فیض بے حصول
جتنے قطرے مے کے ٹپکے خون اوتنا جل گیا

الاماں اے سوز پنہاں ہوگیا پانی بھی آگ
چھوٹ کر بہنے کا وقت آیا تو چھالا جل گیا

بے اثر کہتے تو ہو گرمی شوق دید کو
پھر شکایت تم نہ یہ کرنا کہ پردا جل گیا

پہلے تھی فکر آگ حسرت خانۂ دل کی بجھے
اب یہ ہوا اسکی جستجو کیا رہ گیا کیا جل گیا

برق نے کی ہر طرف میرے نشیمن کی تلاش

چار تنکون کی بنا پر باغ سارا جل گیا

ہے نہ نما کستر نہ اصلی حال پر باقی ہے دل
جتنا سوزِ غم سے جل سکتا تھا اوتنا جل گیا

پائے بند ملت پہ پروانہ ہوا سے برہمن
قابلِ داد اوسکی ہمت ہے جو زندہ جل گیا

جان ڈالین گے نہ پروانے ہین آنسو شمع کے
ہوگا ان چھینٹون سے اب کیا جلنے والا جل گیا

مہر اپنے شوق نامہ کی ہے خود گرمیٔ شوق
نام تھا تحریر جس جا کاغذ اوتنا جل گیا

برق حسرت آرزو نخل تمنا پر گری
تھی پھپکنے کی خوشی جس کے وہ پودا جل گیا

(۶۲)

سمجھے تھے ہم جسے خلیل کعبہ اُسی نے ڈھا دیا

آپ ہی پونچھے اشک غم آپ ہی پھر رولا دیا

ہم تو خوش بیٹھے تھے آپ نے کیوں ستا دیا

ہوگیا سب زمین میں جذب خم بھی اگر لنڈھا دیا

جیسے زمین پہ ایک خط کھینچ کے پھر مٹا دیا

…نے اُس شباب کو خاک ہی میں ملا دیا

…ضطراب شوق پہلے ہی سے تھکا دیا

…مین کچھ لکھا آپ ہی پھر مٹا دیا

…الاؤ آنکھ سے تو دکھا دیا

(۶۳)

جس نے برباد کیا گھر ترے دیوانے کا
دل ہے اب چھوٹا سا نقشہ اُسی ویرانے کا

گھر کو تو مجھ سے چھڑاتا ہے ہوئے جوشِ جنون
پہلے اک دیدے نوشتہ کسی ویرانے کا

گرمیِ محفلِ حسرت ہے ترا سوختہ جان
کہ زبان شمع کی دل پایا ہے پروانے کا

چرخ پر برق طپان بر ہمن ہوا بحر مین موج
ہر جگہ نام نیا ہے ترے دیوانے کا

لڑکھڑانا کسی ساقی کا اُٹھا کر شیشہ
چھوٹ پڑنا وہ مرے ہاتھ سے پیمانے کا

مٹ کے ہین خاک پریشان کی بدولت اب تو
ہر بیابان مین قدم ہے ترے دیوانے کا

اُس سے اسرارِ حقیقت کو نہ پوچھو جس نے
پردہ اُٹھتے ہوئے دیکھا ہے صنم خانے کا

اِک نئے نام سے موسوم ہوا صورتِ قیس
جب اُٹھا کوئی بگولہ مرے ویرانے کا

آنکھ پر زاہدِ بدبین کی پڑے جب آئے مزہ
اوڑ کے ٹکڑا کسی چھلکے ہوئے پیمانے کا

زندگی کا ہے مزہ حسن کی جانسوزی مین
شمع گل ہوتے ہی دل بجھ گیا پروانے کا

مین نے پھاڑا جو گریبان تو یہ نکلی آواز
نام فہرست مین لکھ لو نئے دیوانے کا

آرزو اپنی طرح موت سے بدتر جانو

ہے کہ پر سوختہ ہمیشا کسی پروانے کا

(۶۴)

کثرت جلوت سے اک آئینہ خانہ دل ہوا
باہر آتے ہی مرا خلوت نشین محفل ہوا

ٹوٹ کر آئینۂ دل جذب مین کامل ہوا
ریزہ ریزہ چشم حسرت ذرّہ ذرّہ دل ہوا

ظرف میکش دیکھ کے کیفیت الفت نہ پوچھ
دلمین جتنا درد تھا اوتنا مزہ حاصل ہوا

دوست سے بچنے نہ دینگے نفس دشمن کے فریب
نکلے آدم کہ شیطان خلد مین داخل ہوا

لذت بیداد وس محرا داسکے دل سے پوچھ
کھائے جسنے تیر پر تیر اور نہ پھر بسمل ہوا

کیف مے سے کم نتھین کچھ دہر کی بجھیان
جسقدر کھلتی گئین آنکھین سوا غافل ہوا

ہو اگر احساس لذت دل مین ہر دنیا کے لطف
باغ بھر کا ایک اس پھل سے مزہ حاصل ہوا

ہاتھ سے ہو دوست کے یا دست دشمن سے ہو موت
کوفت تو یہ ہے کہ اپنا آپ مین قاتل ہوا

کثرت جلوت سے چھلکے کاسۂ چشم شوق
فیض بیجا باعث محرومی سائل ہوا

کہتے کہتے حال ضبط عشق آنسو گر پڑے
ہائے وہ دعوے کہ بے تردید خود باطل ہوا

ہون ادب آموز بزم خامشی مانند شمع	آپ کٹوا دی زبان جب بات کے قابل ہوا
سختیان جس سے نہ اٹھیں ناز اٹھا سکتا ہو کب	چوٹیں کھاتے کھاتے پتھر ہو گیا جب دل ہوا

کامیابی خود غرض کی آرزو بے فیض ہے
وہ ہوا کیا جو چراغ کشتۂ منزل ہوا

(۶۵)

ہم آنکھیں کھولے بیٹھے تھے جب سارا عالم سوتا تھا
مانند چراغ اک سوختہ تن گہ ہنستا تھا گہ روتا تھا
وہ جھونکے سرد ہواؤں کے وہ دل کے کنول کا لہرانا
تھیں آنکھیں بند زمانے کی یہ کِسکو خبر کیا ہوتا تھا
آنکھوں سے جو خود ہنسنے دیکھا اے بے اثری وہ اثر یہ تھا
آتا تھا مژہ تک جو آنسو ساری دنیا کو ڈبوتا تھا
مین خوش ہون ختم مصیبت سے وہ چونکے ہین اپنی غفلت سے

اب روتے ہیں میرے ہنسنے پہ یا ہنستے تھے جب میں روتا تھا

اب کیا ہوتا ہے یہ سمجھو اور پھر کیا ہونے والا ہے
اے آرزو اسکو جانے دو کل دنیا میں کیا ہوتا تھا

(۶۶)

گناہ شیب سپرد شباب کیا کرتا
سحر تو ہو چکی تھی عذر خواب کیا کرتا

یہ میری توبہ نتیجہ ہے بخل ساقی کا
ذرا سی پی کے کوئی شراب کیا کرتا

یہی تھی زیست کی لذت یہی تھی عشق کی شان
شکایت تپش و اضطراب کیا کرتا

مجھے مٹا تو دیا قبل عہد پیری کے
سلوک اور دو روزہ شباب کیا کرتا

یہ بحر عشق کا طوفان اور ذرا سا دل
جہاز الٹ گئے [illegible] حباب کیا کرتا

پڑے سے ہوتے جو غفلت کے آرزو پردے
خدا ہی جانے یہ جوش شباب کیا کرتا

(٦٧)

اشکون سے راز کھلا کیا خون آرزو کا
آنکھون تک آتے آتے رنگ اُڑ گیا لہو کا

آسان تھا نہ کٹنا میری رگ گلو کا
قاتل نے طیش کھایا خنجر نے خون تھوکا

حسرت سرائے دل مین سب انقلاب دیکھے
کا ہے چہل پہل تھی کا ہے مقام ہو کا

حسن شباب خوبان صورت نمائے جلوہ
جوش بہار گلشن آئینہ رنگ و بو کا

رکنے سے دست وحشت الجھن مین ہے طبیعت
بندش ہے صبر سے دل کی ٹانکا ہو جو رفو کا

نیرنگی فلک کا آئینہ بنگیا ہے
دیکھے کوئی تغیر عاشق کے رنگ رو کا

غمخوار ہجر نکلے بدنام کرنے والے
ایک ایک اشک حسرت خواہان ہے آبرو کا

گرتے ہی اشک خونین بیدل سے ہوگئے ہم
یہ اور کوئی شے تھی قطرہ نہ تھا لہو کا

شاخین درخت کی ہین بڑھتی ہوئی اُمنگین
روکے سے کیا رکے گا یہ جوش ہے نمو کا

دامن فلک کا رنگین آنکھین تری شفق گون
دونون پہ مظلمہ ہے اک خون آرزو کا

اے آرزو یہ کیسی دنیا اُلٹ گئی ہے
وہ دوستون مین اب ہے شیوہ جو تھا عدو کا

(۶۸)

ورد دل کا عدم مآل ہوا | وصل کا آسرا وصال ہوا
حاصل کار مدعا معلوم | کہ کہا اور رد سوال ہوا
دم ورد والم ہر اک ہمدرد | دور رہکر گواہ حال ہوا
کھلکر اوسارم اداکھ ڈال | کس کا کس کا گلا حلال ہوا
آہ وہ درد لا دوا دل کا | مرگ اوس روگ کا مآل ہوا
آسرا دل کا وہ کلام اوسکا | کہ ہر اک حوصلہ سوال ہوا
رہکر او دل حواس گم کردہ | اور کار اہم محال ہوا
وہ ہوا دور دور کاسہ ل | رگ گل کا لہو وہ لال ہوا

مدعا دل کا آوکھ لو مراد
کہ وہ اور سامع سوال ہوا

(۶۹)

گریہ غماز تپشہائے نہان اور ہے اب
چشم اس حال پہ کچھ اشک فشان اور ہے اب

کیون نہین بات کے پابند غرض کے بندے
جو زبان اور تھی پہلے وہ زبان اور ہے اب

دیکھین کیا کیا نکرے اونکے تلوّن کا خیال
کل مجھے اور تھی وحشت خفقان اور ہے اب

کام روغن کا کیا اشک کے دو قطرون نے
کچھ ترقی پہ یہان سوز نہان اور ہے اب

چارہ گر فکر دوا چھوڑ کے ہین محو دعا
ہوگیا حال کچھ ایسا کہ گمان اور ہے اب

شک مین ڈالا ہے مری حالت تدریجی نے
نہ زبان اور تھی پہلے نہ بیان اور ہے اب

ہمنوا اسکے جو ہین صورت ناجنس خموش

(۷۰)

کچھ اوس مکین کو نہین ہے مکان کی حاجت
جو ایک ذات ہے دونون جہان کی حاجت

شباب آتے ہی گھائل دلون کو کرنے لگا
وہ تیر ناز جسے تھی کمان کی حاجت

سمجھ رہے ہین نظر باز شان خاموشی
وہی ہے ہون نہین جسکو زبان کی حاجت

سر نیاز ہے منت پذیر داغ جبین
شناخت کے لیے تھی اک نشان کی حاجت

خدا نہ کر کہ مہیا ہون آپ دار و رسن
جو شوق بام مین ہو نردبان کی حاجت

رکھا ہے بارِ وفا جب کھڑے ہیں جن و ملک
ہوئی ہے خاک کے پتلے کو جان کی حاجت

بنالیں سوزِ نہاں کو ابھار کر شعلہ
بیان حال کو ہے اک زبان کی حاجت

کتابِ غم ترا چہرہ سکوتِ شرحِ ملال
بس آرزو کہ نہیں ہے بیان کی حاجت

---

(۷۱)

جب دیکھیے وہ تجھ حزیں کی صورت
دیکھے کوئی اوس حسین کی صورت

اقرارِ وفا فریب نکلا
ہونے لگی ہاں نہیں کی صورت

حلقہ مری بزم کا ہے بے یار
اک خاتم بے نگیں کی صورت

اوٹھے گی جہاں نظر کی جنبش
دل سہمنے لگا زمیں کی صورت

یہ آئینہ اثر ہے تیرا

دیکھ آرزو حزین کی صورت

(۷۲)

نہ دل ہے اب مرے کہنے مین یار کی صورت
نہ اون پہ بس دل بے اختیار کی صورت
فقط ہے نقش مرے دل پہ یار کی صورت
ہو آئنہ تو دکھائے ہزار کی صورت
جو تھوڑی عمر ملی ہے وہ ہو گی جل کے تمام
جہان مین ہے مری ہستی شرار کی صورت
غم فراق مین بہتر ہے گھر سے دربدری
نظر تو آتی ہے آنکھون کو چار کی صورت
کہے یہ کون کہ بے موت انھین نے مارا ہے
بنائے بیٹھے ہین جو سوگوار کی صورت

ستم شعار کے غصہ کا دیہی ہے ثبوت
ڈری ہوئی کسی امیدوار کی صورت

ملی ہے سرحد ملک عدم سے سرحد عشق
یہان ہو سنگ نشان اک مزار کی صورت

ہواے شوق مین ہم ناتوان و پس ماندہ
چلے ہین بیٹھتے اوٹھتے غبار کی صورت

یہ دل ہے جذب تصور سے آئنہ خانہ
کہ ہر طرف نظر آتی ہے یار کی صورت

ہمین کہین دل مردہ کا جب پتہ نہ ملا
بنا کے بیٹھ رہے اک مزار کی صورت

دل اوس صنم کا ہوا صاف آرزو نہ کبھی
اس آئنہ مین رہے ہم غبار کی صوت

جفا و جور کیون ٹھہرین مری فریاد کے باعث
نہین جب نالہ و فریاد خود بیداد کے باعث

محبت حد سے بڑھکر کام کرتی ہے عداوت کا
ہوئی بدنام شیرین خلق مین فرہاد کے باعث

یہان اظہار رہرا یذا کی ہے شان ایک ہی ورنہ
ہزارون مین سبب لاکھون ہین اس فریاد کے باعث

بظاہر بد نصیبون کے ستارے بے حقیقت ہین
مگر نشوونما ئے چرخ بے بنیاد کے باعث

زمانہ نے اثر بدلا ہے کیسا عیش رفتہ کا
مصیبت اور بڑھ جاتی ہے جسکی یاد کے باعث

یہی ہین وہ جناب دل جو تنہا چھوڑ ہی جاتے ہین
یہی حضرت ہوئے تھے عشق کی بنیاد کے باعث

روا رکھو خدارا آرزو دل پر نہ جبر اتنا
فلک بدنام عالم مین ہوا بیدا د کے باعث

(۷۴)

خوشنما دور مستعار ہے آج
کل نہ یہ ہوگی جو بہار ہے آج

دل کہ تھا شیشۂ شراب نشاط
وقف غمہاے روزگار ہے آج

کل یہ آنکھین جھپک چکی ہین ابھی
پھر نظر محو انتظار ہے آج

غفلت روز عیش یہ اندھیر
سارا عالم سیاہ و تار ہے آج

کل کو سوچ اے فریب خوردہ نفس
مشتبہ چشم اعتبار ہے آج

آج کا شوق تھا غلط فہمی
کل کا پھر مجکو انتظار ہے آج

کہکے اپنا ہی جی کو خوش کرلین
دل پہ یہ بھی کب اختیار ہے آج

خاک دامن جھٹکنے والے بتا
کیسی حالت تہ مزار ہے آج

آرزو اب چہل پہل وہ کہان

دل اک اُجڑا ہوا دیار ہے آج

(۷۵)

لپک اوٹھا وہی سبزے کے رنگ رو کی طرح
چھپا ہوا تھا جو دامان گل مین بو کی طرح
قریب جسکے وہ خنجر کی دھار بن کے رہے
ہر ایک رگ تو نہین ہے رگ گلو کی طرح
نگاہ شوق کو دھوکے مین ڈالنے سے حصول
بدل بدل کے نگاہون کو رنگ رو کی طرح
گنہ کا شوق بڑھاتے ہین ابر کے چھینٹے
یہ توبہ ٹوٹنے والی ہے پھر وضو کی طرح
جواب دینگے ہم الزام کا خموشی سے
ہمین تو بات یہ ملنا ہے آبرو کی طرح

روش سے ہے سبزے کی بیگانہ وار ملنے مین
جو پھول ہو تو بسو دل مین آکے بو کی طرح

جگر سے مٹ تو گئے زخم اے فریب وفا
نشان رہ گئے کچھ بدنما رفو کی طرح

شراب بھی کہین ساقی نہ تاؤ کھا جائے
نگاہ گرم سے کھولے ہوئے لہو کی طرح

دل شکستہ ہے ساقی یہ جام رستا ہوا
شراب خوردہ نہ ہو خون آرزو کی طرح

(۷۶)

برہمی مین دیکھکر روے بت بے پیر سرخ	خون حسرت نے بنائی اپنی اک تصویر سرخ
دور ہے روز قیامت اور قاتل حیلہ ساز	اتنی مدت کیا رہیگا خون دامنگیر سرخ
کس قدر قیدی کا خون گرم ہے آہن گداز	تپتے تپتے ہوتی جاتی ہے سیہ زنجیر سرخ

غصہ بڑھ جانے سے اونکا حسن دونا ہو گیا
او سپہ میرے خون جانے کا کوئی پہونچتا

رنگ رخ کرتی ہے خون گرم کی تاثیر سرخ
اس خوشی میں دل سے دیکھا تیکے تیرا تیر سرخ

آرزو ہو قاتل وہی اپنا وہی ہو سوگوار
سبز کا غذ جسکے نامہ کا ہو اور تحریر سرخ

(۷۷)

بیٹھے بیٹھے اوسکی باتیں یاد آنا خود بخود
دل ہی دل میں سوچنا پھر مسکرانا خود بخود

عشق بیکاری سے اوسکا میری آئی مستی
دل لگی سے نام لکھنا پھر مٹانا خود بخود

کیا بتاؤں اس جنون کا اس مرض کا کیا علاج
دل سے باتیں اور بیخود ہوتے جانا خود بخود

ایک شوق دل ادھر لاکھ اندیشے اودھر

سوچکر کچھ خط مین لکھنا پھر مٹانا خود بخود

کیا دکھائے رنگ یہ بدشگونی آرزو
ہنستے ہنستے آنکھ مین آنسو بھر آنا خود بخود

---

(۷۸)

رحم آیا جور کی رسمین ادا ہونے کے بعد
ہوتے ہین عذر غلط فہمی خطا ہونے کے بعد

گلہ نہ دے اوبھی روٹھ جانے کے بعد
منہ چھپا لینا ستم ہو سامنا ہونے کے بعد

حوصلے بیمار غم نے سب کے پورے کر دیے
زہر کھایا ہی مجبوری دوا ہونے کے بعد

کیا ہی گرویدہ کیا اپنا خوشا لطف ستم
دل ہوا پھر طالب بیری گلہ ہونے کے بعد

حوصلے پھر ٹوٹ گئے ٹوٹا ہوا دل جڑ گیا
اُف یہ ظالم مسکرا دینا خفا ہونے کے بعد

اوسکا جھکنا روح و تن کی کشمکش تھا آرزو
پھر گلے مین شمس الدین بانہین جدا ہونے کے بعد

---

(۷۹)

سب بھول کے فرقت مین ہے اک نام قضا یاد
بڑھ جاتی ہے تکلیف تو آتی ہے دوا یاد
کیا حالت بسمل پہ ہو انگشت بدندان
اب کاسے کو ہوگا اثر تیر ادا یاد
اپنا جو بنانا ہے تو او دشمن ایمان
اتنا بھی نہ کر ظلم کہ آجائے خدا یاد
تم آج نہین ہوتے ہو دیدار پہ راضی
اور کل جو مجھے وعدۂ فردا نہ رہا یاد
گر وصل مین لذت ہے تو کیا ہجر ہے بے کیف
سبکو مرض عشق کی ہے ایک دوا یاد
تکلیف مین ہے جان سی شے قیمت آرام
جب دم پہ بنی ہو تو نہ کیون آئے قضا یاد

دم آرزو آ گیا تھا ہوٹون پہ جس سے
اب تک تو ہے اوسی درد محبت کا مزا یاد

(۷۹)

گل کو گلشن خار کو صحرا پسند
یہ تو دل ہے جسکو جو آیا پسند

ایسی حسرت ہی سے باز آنا ہی خوب
جو مجھے مرغوب اونکو نا پسند

جان لیگی قدر نعمت کی ہوس
کیونکہ یہ دنیا ہے سب مرغ انپسند

ناز اپنا بے نیازی میری دیکھ
لے لیا اوسنے سبے جو تھا اپنا پسند

آرزو وہ بات تو ممکن نہین
متفق کر لے جسے دنیا پسند

(۸۰)

یہی ہے بس مرے دل کے بخار کا تعویذ
کہ لا کے باندھ دو بازو سے یار کا تعویذ

غضب کی زلزلہ انگیز خاک دل نکلی	شکستہ ہے کئی جا سے مزار کا تعویذ

جواب نامہ کہ جس مین رقم ہو وعدۂ وصل
ہے آرزو و مرضِ انتظار کا تعویذ

(۸۱)

جب صرف ہوئین خوبی تقدیر سے کاغذ
کسطرح نہ لپٹے تری تصویر سے کاغذ

اے کاتب اعمال بہت ہین مرے عصیان
مانگ اور ابھی مالک تقدیر سے کاغذ

مضمون ہے بربادی وحشت کا جنون خیز
اسے نامہ رسان باندھ لے زنجیر سے کاغذ

اس [illegible] کہ جسکے نامہ مین کچھ راز ہے شامل
چھوٹے گا نہ بے چاک ہوئے [illegible] سے کاغذ

دشمن ہے خط شوق کا سوز غم فرقت
جل اوٹھتا ہے گرم آہ کی تاثیر سے کاغذ
تفصیل سے لکھون جو مین حالات شب ہجر
ہو جاے سیہ کثرت تحریر سے کاغذ
مین دل سے خیال اوسکا بھلا دون ابھی ناصح
تو پہلے جدا کر کسی تصویر سے کاغذ

فریاد کنان ہے قلم اے آرزو ابتو
ہے تنگ مرے شوق کی تحریر سے کاغذ

(۸۴)

اس بزم سے ہے اپنا یہ دور جام آخر
شیشے کی ہچکیان ہین گویا پیام آخر
اے خضر موت ہی ہے انجام زندگی کا
کتنا ہی دن بڑا ہو ہوتی ہے شام آخر
کھوٹا کرو نہ رستہ منزل بہت کڑی ہی
میت پہ میری کبتک یہ اژدحام آخر
محکم ہوئین امیدین کچھ پوچھنا نہین اب
پیغامبر سے ہارا دیکر پیام آخر

آنکھون کو دید رخ کا دینا نہ تھا سہارا | ظالم نے نیند میری کر دی حرام آخر
اس قید زندگی کا ضامن فقط نفس ہے | ٹوٹا نظر پڑے گا ہر تار دام آخر
قفل زبان حیا تھی دل تلملا رہا تھا | آہی گیا زبان پر گھبرا کے نام آخر
ہے دور بادہ گویا یہ دور زندگی کا | بدمستیون کے ہاتھون ٹوٹے گا جام آخر
مجنون کی فصد اکدن لیلی کا خون دیگی | پختہ نہوگا کبتک سودا اسے خام آخر
جوش ہوس ہے جسکا بے امتیاز نشہ | وہ زندگی نہوگی کبتک حرام آخر

ناکام رہکے توڑین کیون دلکو آرزو ہم
لینا ہے جب اسی سے الفت کا کام آخر

(۸۳)

دل کے بدلے غم بے کیف کرین کیا لیکر | کوئی دیوانہ ہی خوش ہوگا یہ سودا لیکر
چھوٹی امید خدا جانے کہانتک دوڑاے | ایسے لاغر کو جو اٹھتا ہو سہارا لیکر
نہ ٹھہرتا کبھی اس تند ہوا مین یہ چراغ | لی ہوس ترک ترا داغ تمنا لیکر
دل وہ کس کام کا جسمین [illegible] | کوئی مرجھایا ہوا پھول کرے کیا لیکر

لے تو لیتے ترے دامن سے گریباں کا عوض
کچھ برابر کے نہ ہو جائین گے بدلا لیکر

راہ اوس کوچہ کی احباب نے چھوڑی جسوقت
چل سکے چار قدم بھی نہ جنازا لیکر

ہم ہین مٹنے کے لیے عشق مٹانے کے لئے
آئے ہین ساتھ ازل سے دل شیدا لیکر

روح نے پیکر خاکی کو یہین چھوڑ دیا
راستہ دور کا کھل جاتا ہے بوجھا لیکر

بحر الفت سے ہے اِدھر ساحل امید اودھر
آرزو جاندپڑو نام خدا کا لیکر

(۸۴)

جو یہ کہتے ہین بیا اپنی تمنا دیکر
سچ یہ ہے مفت وہ دل لیگئے دھوکا دیکر

پھر نہ کھونے سے کھلیگی یہ گرہ بال کی ہے
دل پھنساؤ نہ مرا زلف مین پھندا دیکر

یہ بھی جینا کوئی جینا ہے مریض غم کا
کہ اُٹھاتے ہین بٹھاتے ہین سہارا دیکر

جو لہو کا مرے پیاسا ہو وہ پیارا ہے انھین
حلق پر رکھتے ہین تلوار کو بوسا دیکر

ناتوانی کے سبب پاؤن جو تھراتے تھے
لیچلی دل کی تڑپ مجکو سہارا دیکر

ناگہانی نہ بنا مرگ معین کو مری
تیر مارا ستم ایجاد نے دھوکا دیکر

دفعتاً ترک تعلق مین بھی رسوائی ہے	او مجھے دامن کو چھڑاتے نہین جھٹکا دیکر

آرزو بات یہ پردہ کی ہے ہنسنے دو ہمین
اب نہ کہواؤ کہ دل اُس نے لیا کیا دیکر

(۸۵)

ختم ہے اپنی مرگ و زیست طرز نگاہ یار پر
چلتی ہے عاشقون کی ناؤ تیز چھری کی دھار پر

ختم ہے سوز و التہاب آپکے جانِ زار پر
شمع ہوا سے لڑتی ہے جل کے مرے مزار پر

کثرت داغ غم سے دل غیرت لالہ زار ہے
میری خزان کو دیکھئے آج ہے کس بہار پر

ہونا تھا جو وہ ہو چکا سوچ رہے ہو دل مین کیا
جاؤ بھی اُٹھ کے اپنے گھر بیٹھے ہو کیا مزار پر

مل کے نگاہ ناز سے دل نے مجھے پھنسا دیا

دھوکا نہ کون کھائیگا دوست کے اعتبار پر

کم ہوئین مر کے بھی یہان بادیہ گردیان کہان
صدقے ہزار آندھیان ایک مرے غبار پر

قید قفس مین ہمنفس صورت مرغ تیر ہون
کام کا ایک بھی نہین ہونیکو ہون ہزار پر

رتبۂ جرم عاشقی درجہ بدرجہ کھل گیا
بیٹھا ہے کوئی زیر تیغ کوئی کھنچا ہے دار پر

رشتۂ زیست عشق مین نغمۂ جانگداز ہے
ساز سرود کا گمان اب ہے نفس کے تار پر

تیرے گلے کے ہی ہار دیتے ہین بوسے ہاتفرنیہ
جن پہ خزان سی آچلی ہین وہی گل بہار پر

روئے یہ گلرخان وہر کس کے شہید ناز کو
پڑگئی اوس آرزو باغ مین لالہ زار پر

(۸۶)

چلے تیرِ نظر صدقے کیا دل بانکی چتون پر
بنے جو خود نشانہ خون اوسکا اوسکی گردن پر

لگاوٹ کی نظر کمبخت جو چاہے کہلوالے
وہ اقرار وفا سے لیتے ہین خنجر رکھ کے گردن پر

تھوا اُسلئے گریبان گیر وہ اے دیدۂ گریان
مرا خون تمنّا بدنما ہے میرے دامن پر

اُدھر اُسنے نظر پھیری اِدھر مین نے گلا کاٹا
خدا جانے ہوا یہ خون ناحق کسکی گردن پر

تعلق ہی تو اسنے دل مین ڈھونڈھو خاک مین کیا ہی
بس اب اُٹھو سدھارو جاؤ کیون بیٹھے ہو مدفن پر

دھواں ہوگا کسی پر بستہ بلبل کے جلے دل کا
کئی بادل کے ٹکڑے وزمنڈلاتے ہین گلشن پر

نچھوڑا دل نے ضبط اشک مین بھی پھوٹ کر رونا
رہے کے آنسو اِدھر چھالے اُبھر آئے اُدھر تن پر

قفس کی تیلیان کچھ ٹوٹتی ہین جب پھڑکتے ہین
نگاہین سے تنکے رکھ آتی ہین جا جا کر نشیمن پر

انھین رغبت بھری نظرون کے بھڑکائے ہوئے وہ ہین
کہ آرائش تو اپنی بار احسان میری گردن پر

تعلق آرزو اِس خود غرض دنیا سے جبتک ہے
سہارا دوست کا چھوڑو بھروسہ رکھو دشمن پر

(۸۷) فروغ زنین

داغ سوزان کی خزان تک مین ہے تاثیر بہار
شمع گل ہو سلے تو دکھلا دون مین تصویر بہار

خونفشانی سے اب آنکھون کی ٹپکتا ہے یہی
دل مین پیوستہ ہے کانٹے کی طرح تیر بہار

صفحۂ صحن چمن پر ہے قلمکاری نو
چاک دامن کی خبر دیتی ہے تحریر بہار

تھر ہے فصل بہار آتے ہی کاکل کا بناؤ
ہاتھ مین پاؤن کے بدلے ہے یہ زنجیر بہار

اہل جوہر کی ہے دنیا مین حسینون کو بھی قدر
دل کا آئینہ طلب کرتی ہے تصویر بہار

جب کلی کوئی چٹکتی ہے دھڑک جاتا ہے دل
ناموافق ہو نہ بلبل کے یہ تقریر بہار

آئے ہین اپنی خزان سب کو دکھانے کے لئے
دل پہ لالے کی طرح کھائے ہوئے تیر بہار

فصل گل آتے ہی پیچیدہ ہوئی موج ہوا
چونکو دیوانو کہ جنبش مین ہے زنجیر بہار

خشک تنکے بھی نشیمن کے ہرے ہونے لگے

گھر تک آئی ہے مرے ملنے کو تاثیر بہار

اشتیاق اوسکی جوانی کا بھی ہے طرفہ جنون
ہوش لیجائیگی پہلے ہی یہ تاثیر بہار

آرزو عہد جوانی مین ہے پژمردہ دلی
موسم گل مین یہ بیرنگی تاثیر بہار

(٨٨)

جنون فزا ہے یہ انداز دلربائے بہار
کہ ہوش اوڑائے لیے جاتی ہی ہوائے بہار

نہ جائیگی کبھی پژمردہ خاطری اپنی
یہ وہ چمن ہی نہین ہو کہ جس مین آئی بہار

قلم ہو شاخ تمنا تو اور رہو سرسبز
جو انتہائے خزان ہی وہ ابتدائے بہار

وہ شاخ پھٹ نہ پڑے کیون جو بارور ہو سوا
کہ ابتدائے خزان ہی یہ انتہائے بہار

ہزار مرتبہ نرگس بنے ہین دیدۂ شوق
مری نگاہ ہے مدت سے آشنائے بہار

خلش سے دل کی مرے ہو رہے ہین داغ جگر
یہ ایک خار چمن ہی جنون فزائے بہار

یہ جوش خندۂ گل رنگ لانے والا ہی
ہوئی ہے چاک گریبان سے ابتدائے بہار

قفس میں بلبل تصویر آرزو ہم ہیں
وہ دن گئے کہ جو کہتے تھے ہائے ہائے بہار

(۸۹)

دل فقط کارگہہ دہر میں تھا کام کی چیز
پہلے ہی گم وہ ہوئی تھی جو اک آرام کی چیز

نیش زنبور ہے مجھ خوگر آزار کا دل
آپ کے کام نہ آئیگی مرے کام کی چیز

دینگے سو بار برا کہکے بھی واپس وہ دل
کبھی کھلتی نہیں لیتے ہوے بے دام کی چیز

دل تمہارا تھا تمہیں دیکے سبکبار ہوئے
ایسے نادان نہیں سمجھتے جو ہم الزام کی چیز

آرزو خون تمنا سے ہے اونکی یہ غرض
رہنے پائے نہ زمانے میں مرے نام کی چیز

(۹۰)

ہے ضبط جگر سوز تو فریاد اثر سوز
ہر طرح ہے جلنا کہ ادھر ساز اودھر سوز

اوس شعلہ رخ کی ہی مرے شوق میں گرمی
قسمت سے ملی حسرت پرواز بھی پر سوز

عاشق کے سر اب کسلیے جل مرنے کا الزام
اندھا تو بنا دیتا ہے خود حسن نظر سوز

تریاق بھی ہے زہر کہ تقدیر ہے اولٹی	ٹھنڈی بھی ہر اک سانس ہی عاشق جگرسوز

ہیزم کی طرح تو نے جلا ڈالی ہر رگ رگ
دل آرزو غمزدہ کا ہے کہ اگر سوز

(۹۱)

نازو انداز و ادا کیا کچھ نہین قاتل کے پاس
اور فقط ہمت ہی ہمت نیمجان بسمل کے پاس

دلفریبی ان نگاہون کی ہے مطلب آشنا
اب یہ کیون اتنی عنایت کیا ہی مجھ بیدل کے پاس

خاک کے پردے مین سرگردان ہی کس وحشی کی روح
اک بگولا آتے آتے تھم گیا محمل کے پاس

ایک ہے خنجر کا مار رشک کے مارے ہزار
سیکڑون کشتے تڑپتے ہین ترے بسمل کے پاس

بند کین آنکھین تو پایا تجھکو او پردہ نشین

وسعت حد نظر سے دور لیکن دل کے پاس

خم ہوئی گردن تو ماتھے کی شکن جاتی رہی
سر بکف مین ہون تو اب خنجر نہین قاتل کے پاس

آرزو و حرمان و حسرت رنج و غم امید و بیم
کچھ نہونے پر بھی اتنا کچھ ہے مجھ بیدل کے پاس

(۹۴)

تاکید ہے کہ جا ابھی اوس بیخبر کے پاس
پیغامبر روانہ کیا نامہ بر کے پاس

اک رات کی بہار تھی پردہ فریب کا
پروانہ ایک بھی نہین شمع سحر کے پاس

اِس بے بسی کی آس پہ قربان جائیے
ہمتو کھڑے ہین دور نگاہین ہین در کے پاس

دو چار قطرے پانی کے اور وہ بھی گرم گرم
اے تشنہ کام دیدہ ہے چشم تر کے پاس

بس جاؤ جاؤ جھوٹی تسلی سے فائدہ
کیا اور دکھ بڑھاؤ گے دم بھر ٹہر کے پاس

ایسی اندھیری رات کے صدقے ہزار چاند
شرمانے والا جبین سرک آئے ڈر کے پاس

ساز خوشی مین شام کی ہے شان صبح غم
تارون کے پاس اشک اداسی قمر کے پاس

ریزش اب اوسکی دیکھ لو آنکھون سے آرزو
ناسور تھا جو سینے مین داغ جگر کے پاس

(٩۴)

کچھ تو کہدو کہ ہوا ارمان بھرا دل خاموش
بے سہارے کبھی ہوتا نہین سائل خاموش

خودگمی اپنی بتاتی ہے رہ عشق کی حد
صورت سنگ نشان ہون سر منزل خاموش

ہے تمناؤن مین افسردگی دل سے سکوت
کون بولے جو ہو خود صاحب محفل خاموش

شمع تصویر ہے سوز غم پنہان کے سبب
نہ ہلاتا ہے زبان اب ہی یہ دل خاموش

آگے اب آرزوے ہم سخنی کی تقدیر
چل کے بیٹھینگے کسی بت کے مقابل خاموش

سمجھی جائے ترے مجنون کی فغان بے تاثیر
اسطرح بیٹھ نہ او صاحب محمل خاموش

راہ گمکردۂ الفت ہون بجھے دل کے سبب
پہلے ہی سے ہے چراغ رہ منزل خاموش

ہر نفس مین ہی بیان نالہ کشی صوت نے
دم نکل جائے تو ہو آپکا بیدل خاموش

شمع سوزان ہون مین تنبیہ سے بڑھ جائیگی کد
کب زبان کاٹ کے کر سکتا ہے قاتل خاموش

تیرے نالون سے غم قیس کی بو آتی ہے
پردہ کھلتا ہے بس اے صاحب محمل خاموش

آرزو اشک تھمینگے تو رکیگی ہچکی
جرس قافلہ ہوگا سر منزل خاموش

(۹۴)

مرض کچھ اور بڑھاتی ہے چارہ گر کی تلاش
تباہ کرتی ہے فریاد کو اثر کی تلاش

نہ تھا یہ گوشہ نشینان شوق کو معلوم
کہ لیکے جائیگی ہر در پہ ایک در کی تلاش

چھپی پڑی تھین تمنائین دل کے پردے مین
کہان پہونچ گئی اُف ری تری نظر کی تلاش

نگہ کا تیر نشانے سے اپنے واقف ہے
نہ سب دلون کا تجسس نہ ہر جگر کی تلاش

ہے اب خزانۂ امید کی کلید یہی
پیام سے ہے زیادہ پیامبر کی تلاش

ملیگا حشر مین سارا زمانہ ایک جگہ
نہ ایک روز کی کوشش نہ عمر بھر کی تلاش

زمانہ جانتا تھا آرزو کو بادیہ گرد
یہ اب کھلا کہ وہ تھی ایک رہگزر کی تلاش

(۹۵)

دوا ایذاؤن کی بانی ٹھہری دہر مین ایک آرام کی حرص

شوق چمن توڑ دے بازو جیسے اسیر دام کی حرص

دور کرو غفلت کے پردے دیکھ کے اہل شام کی حرص

دین کی دولت کھو دیتی ہے دنیا کے انعام کی حرص

عشق کا پہلا زینہ بھی طے ہوتا ہے جانکاہی سے

کھینچ کے لائی دار پہ مجھکو آخر تیرے بام کی حرص

زیست سے دل آسودہ ہو کر پھنسنے چلا ہے گیسو مین

ایک ہی یہ طائر ہے جسے دانے کے عوض ہے دام کی حرص

کیف مروت سے خالی ہے آنکھ رسیلی ساقی کی

زہر کا ساغر پلوا دے گی دیکھنا ایسے جام کی حرص

عشق سے خود ہی ہاتھ اٹھایا کہکے گناہ بے لذت

کی تھی خدارا کیون لوگون نے آخر مجھ بدنام کی حرص

دنیا جسکو کہتے ہین وہ کانٹون کا اک جنگل ہے

آرزو ایسی خوار جگہ مین کرتے ہو آرام کی حرص

(۹۶)

جب یہ ہے معلوم پوری ہو نہیں سکتی غرض
راز تم پر کھولدے اپنا کسے ایسی غرض
جسکے کام آجائے اپنی زندگی بیجا نہین
دوست کی کچھ ہو ضرورت یا ہو دشمن کی غرض
دلربائی ہو چکی اب کام دلداری سے کیا
وہ تو تھی اپنی ضرورت یہ تو ہے میری غرض
پوچھکر دینا تھی ذلت قول تو دینا نہ تھا
کچھ غرض کہدے کوئی اپنی فقط یہ تھی غرض

قول لیکر **آرزو** نے کیا قطع سخن
بات آدھی بھی سنے کیون ہو چکی پوری غرض

(۹۷)

اُف رے بیدیدی پڑھ کے سارا خط | کہدیا یہ نہین ہمارا خط

اوسنے لینے سے جب کیا انکار
لا کے قاصد نے منہ پہ مارا خط

داغ آنسو کا مہر نام کی ہے
کسطرح چھپ سکے ہمارا خط

جسمین وہ راز دل کرین تحریر
کسطرح چاک ہو وہ پیارا خط

اتنی دیر اشک خون بہائے چشم
لکھ لے آج ایک غم کا مارا خط

آرزو راستے سے گم ہوتا کیون
اونکو بھیجا ہوا تمھارا خط

(۹۸)

کہکے وہ بت چلا خدا حافظ
لو بس اب جان کا خدا حافظ

اوس ستمگار کا مبارک ساتھ
دل دردآشنا خدا حافظ

دل کا حافظ مگر خدا ہی ہے
منہ سے تو کہدیا خدا حافظ

زندگی کو بنا کے موت چلا
خیر او بیوفا خدا حافظ

آرزو جب بغل مین بیٹھے تھے وہ
دل کا اوسوقت تھا خدا حافظ

(۹۹)

اس جہان سے ہو جنون عشق کی دنیا وسیع
جسقدر بڑھتے گئے ہوتا گیا صحرا وسیع

کام کیا اوس سے کسی کو ہے اگر دنیا وسیع
دے جگہ دشمن کو بھی دل چاہیئے اتنا وسیع

ہمت کوتاہ سے دل تنگ زندان بن گیا
ورنہ تھا گھر سے سوا اس گھر کا ہر گوشا وسیع

چھوڑ وہ دو گز زمین ہے دفن جس مین اک غریب
ہے تری مشق خرام ناز کو دنیا وسیع

ہے یہ سب قسمت کی کوتاہی وگرنہ آرزو
بڑھ کے دامان طلب سے ہاتھ ہؤا اسکا وسیع

(۱۰۰)

دل سے ہے ہر شوق جوش افزا شروع
ہین اسی چشمے سے کل دریا شروع

جادہ و منزل جہان دونون ہین ایک
اوس جگہ سے ہے مرا صحرا شروع

کس سے سیکھین صبر سوز ہجر مین
شمع نے تو کر دیا رونا شروع

وقت تھوڑا اور یہ بھی طے نہین
کس جگہ سے کیجیے قصا شروع

دیکھا للچائی نگاہون کا مآل
آرزو لو ہوگیا پیدا شروع

(١٠١)

ہے چشم اشک ریز کا اک بے بقا چراغ
تا صبح کیا ٹکیگا یہ رستا ہوا چراغ

اک آہ سرد کھینچتے ہی دل بجھ کے رہگیا
جھونکا لگا ہوا کا کہ رخصت ہوا چراغ

میرے سیاہ خانے مین آتے ہی گم ہوئے
دونون کا ایک حال ہے کیا شمع کیا چراغ

اندھیر کر دیا ترے داغ فراق نے

دن سب جگہہ ہے اور یہان جل گیا چراغ

اب نور چشم شوق ستارہ سحر کا ہے
سمجھو نہ آرزو اسے امید کا چراغ

(۱۰۲)

نہین ہے جو درد محبت سے واقف
کرے التجا تجھسے کیا بیمروت
نہین تو یہ حالت ہی کاہیکو ہوتی
اوٹھا میٹھا میٹھا سا اک درد دل مین

وہ دل کیا ہے جینے کی لذت سے واقف
طبیعت سے آگاہ عادت سے واقف
ارے تم کہان میری حالت سے واقف
ہوئے آج ہم تازہ لذت سے واقف

زبان لال رکھتے ہین مانند شعلہ
جو ہین آرزو راز الفت سے واقف

(۱۰۳)

گو جذب حسن مین نہین کچھ بھی اثر کا فرق
نالے ہمارے تھقے اونکے تہ فلک

قائم کریگا شوق کے درجے نظر کا فرق
پھر دونون ایک تھے جو نہوتا اثر کا فرق

کی توڑ میں کمی ترے پیکان ناز نے
ایسا تو کچھ زیادہ نہ تھا دل جگر کا فرق

لیل و نہار عشق دکھانے مین ایک ہین
وہ زلف و رخ کہ جن مین ہی شام و سحر کا فرق

منزل ہی ایک سالک و مجذوب عشق کی
دھوکا نظر کو دیتا ہی راہ سفر کا فرق

کوتاہی دعا جو نہ وا ہو در قبول
ہمت تو کہہ رہی ہی کہ ہی ہاتھ بھر کا فرق

جلوہ وہی تھا سارے حسینون مین آرزو
سمجھا نہ ایک چاہنے والی نظر کا فرق

(۱۰۴)

ہے خوشی بھی کبھی یہ غم کب تک
تم سلامت مدام ہم کب تک

دیکھین اسے نالہاے درد آگین
چپکا رہتا ہے وہ صنم کب تک

سوز دل سے لگی ہے لواے شمع
ورنہ تو کب تک اور ہم کب تک

داد چپ کی تو آج تک نہ ملی
نامرادی مین ضبط غم کب تک

ہے اک آئینہ انقلاب کا حال
جام تا چند اور جم کب تک

ساقیا دور یہ غنیمت جان
پھر خدا جانے ہون ہم کب تک

ہے یہ دنیا امید پر قائم
آرزو و دہشت ستم کب تک

(۱۰۵)

کمی پر کچھ ہے سوز بے اثر تک | چراغ صبح ہے شمع سحر تک
نہ اون مژگان کی کوتاہی یہ جانا | اوتر جاتی ہین یہ پھانسین جگر تک
ابھی اتنی کہان ہین دل کی ہوکین | کہ پہونچا آئین نالون کو اثر تک
وہ سناٹا ہے میرے غمکدے مین | جہان خاموش ہے شمع سحر تک
وہان مین کسطرح پہونچون خدایا | جہان جاتی نہین میری خبر تک
اب اشکون کی جگہ چنگاریان ہین | جگر کی آگ پہونچی چشم تر تک

سیہ خانے مین برسون آرزو کی
ہوسے ظاہر نہ آثار سحر تک

(۱۰۶)

تاکید ضبط آہ ہے غم کی جلاکے آگ | دروازہ بند کرتے ہو گھر مین لگاکے آگ

سرخی گلون کی دیدۂ تر مین ہی آجتک
رخصت ہوئی بہار چمن بھی لگا کے آگ

گرمی خود اپنے شوق مین پیدا کریگا دل
موسے نہین کہ طور سے لے آؤن جا کے آگ

سارا جلا جلا کے تو روتے ہو کس لیے
پانی کو دوڑتے ہین فریبی لگا کے آگ

نالے وہ گرم جو دل سوزان کے تھے شرار
آخر کو سرد ہو گئے خود بھی جلا کے آگ

رکنے سے قطرے اشک کے چنگاریان بنے
سینے مین ضبط اشک نے بھر دی اُٹھا کے آگ

اب دل اُمنڈ رہا ہے تو آنسو کوئی نہین
سوکھا ہے خود بھی آنکھون کا پانی لگا کے آگ

بجلی سی دوڑنے لگی رگ رگ مین آرزو
اشکون نے اور آگ لگا دی بجھا کے آگ

(۱۰۷)

ہم سے پوچھے کوئی اوس بیداد گر قاتل کا حال
میان مین جو رکھ لے خنجر پونچھ کر بسمل کا حال
جسکا شیوہ دوست بنکر پونچھ لینا دلکا حال
بے گلا کٹوائے جانے کون اوس قاتل کا حال

واقعات زندگانی کیا کہون اے اہل حشر
اک تھکا ماندا مسافر اور کُل منزل کا حال

برق جب تڑپی فلک پر دلمین بھی اوٹھی چمک
ایک بسمل جانتا ہے دوسرے بسمل کا حال

ڈوبنا بحرِ وفا مین سے پہلے ہی سے طے ہو چکا
ابتو جو دہارے کی حالت ہو وہی ساحل کا حال

جان چھوٹی قید سے ٹوٹا عناصر کا طلسم
کہہ نہین سکتے مگر آسانیٔ مشکل کا حال

ہو کا عالم دشت مین پردہ کو جنبش دمبدم
رازدان جو ہو وہ جانے صاحب محمل کا حال

سرخ ہو ہو کر بنین آنکھین حباب بحر خون
رفتہ رفتہ کھلتے کھلتے کھلگیا قاتل کا حال

جو گیا بت بنگیا وہ جو اوٹھا خاموش اوٹھا

ہے معمہ کون اللہ اوس محفل کا حال

بڑھتی جاتی ہین جو راہ شوق مین دلچسپیان
بھولتے جاتے ہین ہر منزل پہ ہر منزل کا حال

جان سے مارا تھا جسکی غفلتون نے آرزو
حشر مین چونکے تو پھر پوچھا اوسی قاتل کا حال

(۱۰۸)

جنھین سمجھتے تھے دیدار یار کے قابل
وہ آنکھین ہو گئین اب انتظار کے قابل

فلک نے کی ہی ستارون سے آتش افشانی
جگر کے داغ نہین ہین شمار کے قابل

مجھی سے عہد قسم کھا کے میرے ہی کی
کرو وہ بات جو ہو اعتبار کے قابل

فلک نے پھینکا ہے تا زیست اے زمین لحد
یہ ہڈیان نہین میری فشار کے قابل

صبا چمن سے اب اوس دم وہ دلکو ہے مطلب
جگہ جو ڈھونڈ رہا ہو مزار کے قابل

دل ستم زدہ مین غم نے بوئی ہین خلشین
یہ سرزمین تو نہ تھی خار زار کے قابل

جمال تو نے دکھا کر بگاڑ دی عادت
یہ آنکھین اب نہین انتظار کے قابل

خموش آرزو اولٹی سمجھ ہے دنیا کی
بتا نہ دے کہین حق بات دار کے قابل

(۱۰۹)

یعنی کبھی یون ہی شاد تھے ہم
جب کوئی ہنسا تو رو دیئے ہم

ابتک جو جیئے کیا اسی لیئے ہم
لینے کو وہ آئے تو چلے ہم

اللہ نہ دی اجازت اتنی
کہتے اک بات آپ سے ہم

اے مردہ دلی بتادے تو ہی
جیتے کس دن جہان میں تھے ہم

کہتا ہے یہ مٹ کے نقش حسرت
پیدا ہوئے تھے اسی لیئے ہم

جلتے ہین جلانے والے خود بھی
سنتے ہین زبان شمع سے ہم

دیکھینگے نہ مڑ کے جانیوالے
کس سے یہ کہین کہ لو چلے ہم

نام اپنا بتا کے آرزو آج
کہنا جو کچھ تھا کہہ گئے ہم

(۱۱۰)

آتش غم سے بنکے زبان بھی شعلہ بے آواز تھے ہم

خاموشی مین شادی ہستی کیونکہ سراپا راز تھے ہم

تھے تو ہمین ہم غیر نہ تھا جس شان سے تھی جس حال سے تھے

گوہر تاج ناز تھے ہم یا خاک جبین نیاز تھے ہم

نغمہ جانفرسا تھے جو نالے اونکا اثر کچھ بھی نہ ہوا

ایک حسین کی بزم طرب مین کوئی شکستہ ساز تھے ہم

دیدۂ کم سے دیکھ نہ خود بین جیسا زمانہ ویسی بات

خوئے نیاز تو اب ڈالی ہے ورنہ سراپا ناز تھے ہم

ساز فغان کے ہر پردہ سے اپنا ہی نغمہ پیدا تھا

کثرت درد وغم سے جہان مین گونجی ہوئی آواز تھے ہم

ذوق فنا مین پیرو شبنم شوق بقا مین رنگ حنا

اپنی ہوا مین قید خودی سے طایر بے پرواز تھے ہم

کم تھی نہ ہرگز جنبش لب سے آرزو اپنی چین جبین

کہنے سے حال درد محبت ضبط مین بھی کب باز تھے ہم

(۱۱۱)

پھیر تو لینگے چھری بھی زہر بھی کھائین گے ہم
یون نہ موت آئی تو پھر بے موت مر جائینگے ہم
شکل آنکھون مین پھر گی جسکو یاد آئین گے ہم
یہ نشان رہجائیگا باقی جو مٹ جائین گے ہم
شعلہ اوسکا دو رجاتا ہی یہ ہی دل کی لگی
چین تمکو بھی نہ آئے گا جو گھبرائینگے ہم
داغ اک سینہ مین ہے اب دلکی جا یا دش بخیر
ساتھ کیا لائے تھے کیا دنیا سے لیجائینگے ہم
زندگی بھر کا ہی مسکن ہو گا مدفن بعد مرگ
بیٹھ کر کوچہ مین اوسکے پاؤن پھیلائینگے ہم
وقت رخصت ایک سے دو کام ہونگے کسطرح

اونکو رو کینگے کہ اپنے دل کو سمجھائینگے ہم

ہے زمانہ مین جوانی تک بہار زندگی
اس سراسے رات ہی کو کوچ کر جائینگے ہم

المدد اے جذب الفت امتحان کا وقت ہی
قول ہے اک جانے والے کا نہ اب آئینگے ہم

صبح محشر سے ملا دے آج کی شب یا خدا
اونکو یہ ضد ہے سویرے اوٹھکے گھر جائینگے ہم

پائی ہے باغ جہان مین ہم نے گل کی زندگی
رنگ بنکر آئے تھے بو بنکے اوڑ جائینگے ہم

ہین یہان پر یان وہان حور دنسے ہوگا سابقہ
آرزو اپنی جوانی ساتھ لیجائینگے ہم

(۱۱۲)

نادم ہون کھاکے ترک یہ قرآن کی قسم
کہتے ہین وہ کہ پی لے مری جان کی قسم

اوس بت سے ترک عہد بھی تو کفر ہوگیا | لکھا بیٹھا اضطراب مین ایمان کی قسم

عہد وفا کو جان چکا آرزو قسم
اور پھر قسم بھی کسکی مسلمان کی قسم

(۱۱۳)

زندہ دلی سے اپنی جو غم مین مبتلا ہین | اون عاشقونکی باتین معشوق سی سوا ہین
ناکامیان ہین حاصل دونون طرف سے ہمکو | معشوق کی وفا ہین عاشق کا مدعا ہین
ہستی وہی ہماری جو ہے عدم سے بدتر | جسکو ہو نا امیدی وس وصل کا ادا ہین
ملک وفا مین اپنا پرسان نہین ہے کوئی | نا آشنا جو بت ہے ایک وس سے آشنا ہین
مژگان کی یاد بھی ہے آلا ہے زخم دل بھی | کانٹونپہ ہمکو چلنا اور پھر برہنہ پا ہین
دوری کا اوسکے دفتر لکھا ہے مینے جتنا | جملے الگ الگ ہین لفظین جدا جدا ہین
ہر طرح عشق مین ہین تصویر درد و غم کی | شکوون کی ہم زبان ہین نالونکی ہم صدا ہین
ہے حال زار اپنا تسکین دہ غریبان | جس درد سے بھرے ہین وس درد کی دوا ہین
پستی ہو یا بلندی اک حد کی ہے مٹے پر | خاک گلہ کبھی ہین گہ نقش کفش پا ہین

ہین اک زبانِ عبرت ہم بزم عاشقی ہین | جتنے گزر چکے ہین اون سب کا ماجرا ہین

نہان ہو یا عیان ہو ہم باغ دوستی مین | رنگون مین رنگ الفت بو مین گل وفا ہین

فرہاد و قیس و وامق گزرے ہین جتنے عاشق | جسکی وہ ابتدا تھے اوسکی ہم انتہا ہین

ہون **آرزو** ازل سے فرقت نصیب ایسا
حرف اپنے نام کے بھی جتنے ہین سب جدا ہین

(۱۱۴)

شمع و مشعل تو فقط تا بہ سحر جلتے ہین | دل کو جنکے ہے لگی آٹھ پہر جلتے ہین

سیکھ پروانون سے دلسوزی ہم اے شمع | آگ مین اور کی یہ تفتہ جگر جلتے ہین

آجتک دل کی لگی تجھسے بجھائی نہ گئی | ہم ترے نام سے اے دیدۂ تر جلتے ہین

جان تن مین ہے کہ طایر قفس سوزان مین | مجھ تک آتے ملک الموت کے پر جلتے ہین

آشیان سے ہی قفس مین بھی تعلق اتنا | دل سے بھی اوٹھتا ہے شعلہ جو شجر جلتے ہین

پاس آمل کے شب ہجر گزارین اے شمع | تو اودھر جلتی ہے تنہا ہم ادھر جلتے ہین

آرزو وآہ جلے دلکی بڑی ہوتی ہے
اِک پتنگا جو اُوڑے سیکڑون گھر جلتے ہین

(۱۱۵)

آنے سے جسکے ہم خوش تھے یون وہ گیاہی کہ آس نہین
اب پائین تو روئین ملکر ہنسنا ہمکو راس نہین
جنکا نہو دلسوز کوئی کم ہون گے ایسے سوختہ تن
شمع فسردہ ہون مین بیکس پروانے بھی پاس نہین
سب کیکے دل سے ملنے والے مفت کا احسان رکھتے ہین
ہین یہ حسین وہ پھول کہ جنمین رنگ تو ہے بو باس نہین
چوٹون پہ چوٹین کھاتے دل بھی تڑپنا بھول گیا
درد تو ہے ویسا ہی ابتک ہان یہ کہو احساس نہین
ایک طرف دریائے محبت ایک طرف صحرائے وفا
کون دو راہے مین رہبر ہو خضر نہین الیاس نہین

دید کے جام مین بھی اے موسیٰ کانٹے کا اندیشہ ہے
کہتی ہے محرومیٔ قسمت نہ بجھنے والی پیاس نہین

ملنے کی اوس عہدشکن کے آرزو اب امید کسے
گذرا ایک زمانہ کہ دلمین ٹوٹی ہوئی بھی آس نہین

(۱۱۶)

جو مری سرگذشت سنتے ہین
سر کو دو دو پہر وہ دھنتے ہین

قید مین ماجرائے تنہائی
آپ سے کہتے ہین آپ سُنتے ہین

آشیان کب تک اور خود کب تک
وہ سڑی ہین جو تنکے چنتے ہین

ہر نفس دے رہا ہے بوئے کباب
دل جگر سوز غم سے بُھنتے ہین

آرزو آنکھ سے نہین دیکھا
نام کانون سے اونکا سنتے ہین

(۱۱۷)

پردہ کی خیریت نہین اس چھیڑ چھاڑ مین
یہ شوخیان ستم ہین کھڑے ہوکے آڑ مین

نیچی نظر نے پست کیا جوش انتقام	کیونکر ابھر سکین کہ دبے ہین پہاڑ مین
زندان سے کم نہ تھا مرے وحشی کو دشت بھی	ملتے ہین ٹکڑون کے نشان ہر پہاڑ مین
اے سوز عشق جلنے سلگنے کی حد بھی کچھ	دل اس سے کاش جھونک دیا جاے بھاڑ مین

آنسو ہنسی ہنسی مین نکل آئے **آرزو**
چھالے کچھ آج پھوٹ گئے چھیڑ چھاڑ مین

(۱۱۸)

کٹتی ہین مزے سے بے ہمدم تنہائی فرقت کی راتین
چپ بیٹھ کے یاد آجاتی ہین اگلی پچھلی ساری باتین

انداز و ادا مین ہو جبتک آفت یہ ہے آفت زیر فلک
چلتی ہین برابر سے چوٹین ہوتی ہین برابر کی گھاتین

دانہ بھی زمین سے گر نہ اُگا قحط غم دل ممکن نہ ہوا
جھڑیان نہ مرے اشکون کی ہمین خالی گئین کتنی برساتین

فریاد کی ہستی ہی کیا تھی شیرین نے ادا کی رسم وفا

ہین عشق و محبت مین یکسان نیچی تو مین اونچی ذاتین
سہے شاد محبت مین کوئی سشا کی غم الفت مین کوئی
سچ جانیئے کسکو جھوٹ کسے جتنے منھ [illegible] اوتنی باتین
کھٹکا ہے نہ اون کے جانے کا ڈر ہے نہ کسیکے آنے کا
پر لطف شب مہ سے ہین سوا برسات کی یہ کالی راتین

اب کسکو غرض اوٹھکر جو کہے اے آرزو آؤ یہان بیٹھو
دل لیکے نگاہین پھر بھی گئین اگلی سی کہان وہ مداراتین

(۱۱۹)

بات کہنے کی ہو تو کہتے ہین
ورنہ پہرون خموش رہتے ہین

ضبط غم کی بھی کوئی حد آخر
اشک آآ کے منھ پہ کہتے ہین

چپ رہا کوئی چیخ اوٹھا کوئی
اونہین ہے فرق دکھ جو سہتے ہین

جھوٹے وعدہ کا بھی یقین آجائے
کچھ وہ ان تیورون سے کہتے ہین

اب کہان گھر مین آرزو صاحب

وہ تو کوئے بتان مین رہتے ہین

(۱۲۰)

مجھ غمزدہ کے پاس سے سب بار دکے اُٹھے ہین
ہان آپ اِک ایسے ہین کہ خوش ہو کے اُٹھے ہین
اس بزم مین کیا آئے چلے کیا یہ نہ پوچھو
کچھ بات ہے ایسی ہی کہ چپ ہو کے اُٹھے ہین
منھ اوٗٹھکے تو سب دھوتے ہین اے دیدۂ خونبار
بستر سے ہم اوٗٹھے ہین تو منھ دھو کے اُٹھے ہین
آنکھ ابر کی ہم چشم ہے دل شعلۂ سرکش
بیٹھے ہین جہان شمع صفت رو کے اُٹھے ہین

ہے آرزو آنکھون کا خمار اور طرح کا
انگڑائیان کہتی ہین ابھی سو کے اُٹھے ہین

(۱۲۱)

کامل ہین وہ ایذا دینے مین پانی سے لگی بھڑکاتے ہین
جانے کو نہین کہتے منہ سے رو رو کے مجھے سمجھاتے ہین

راہین جو کڑی ہین الفت کی اب حضرت دل گھبراتے ہین
یا گھیر کے ہمکو لائے تھے یا چھوڑ کے بھاگے جاتے ہین

تدبیر نہین بن پڑتی ہے تقدیر سے منہ کی کھاتے ہین
غم دل کا چھپاتے ہین جتنا اور آنسو نکلے آتے ہین

الفت کو جگہ دل مین دیکے ہم کیا کہین کس آفت مین پھنسے
چین آتا نہین بے حال کہے کہہ چلتے ہین تو پچھتاتے ہین

ان بے اثر آہون سے اپنی کم ہو گی جلن کیا داغون کی
شامت ہے کہ خود انگارونکو دیدے کے ہوا دہکاتے ہین

فرقت مین ہون مردے سے بدتر گر سانس نہ آتی جاتی ہو
کھانے سے انھین مطلب کیا ہے دنیا کی ہوا جو کھاتے ہین

بیمار محبت کا جینا اک یہ بھی کرامت عشق کی ہے

جو سانس نہین لے سکتا ہے برسون اوسے زندہ پاتے ہین

چھوٹوگے نہ جس سے آرزو اب اوس قید زنجیر مین ہو
پلٹینگے وہ کیا جو کہہ گئے ہین تم ٹھہرو ابھی ہم آتے ہین

(۱۲۴)

جو مٹے رنجش سے ایسی عشق کی ہستی نہین
کچھ بھی کم کردے جسے ترشی وہ مستی نہین

ہوگا اک الزام بیجا کیا کہین کسکو کہین
دل لیا اوسنے خوشی سے کچھ زبردستی نہین

دلمین ہے جلنے کی طاقت شعلے کیونکر ہون فرو
حوصلونمین سربلندی ہے ابھی پستی نہین

ہو نہ قدر عشق مثل حسن یہ ہے اور بات
ورنہ ان دونون مین کوئی جنس بھی سستی نہین

گھا گھمی اسکے سناٹے مین بھی ہے آرزو
دل کا ویرانہ عدم آباد کی بستی نہین

(۱۲۳)

کوشش بے سود مین اگلی سی سرگرمی کہان
ہائے دیوانی جوانی اب وہ بے شرمی کہان

صبر ہم سے غیر ممکن رحم اون کے دل سے دور

موم مین سختی کجا فولاد مین نرمی کہان

لا کے مجہکو ہوش مین پوچھو نہ مجھسے میرا حال

جسکا قابو تھا زبان پر اب وہ ہشیری کہان

ہین وہ تیور ذبح کر ڈالینگے جیسے بے چھری

جی کڑا کر کے چلے ہین دلمین اب نرمی کہان

طول مایوسی نے ہمت پست کردی آرزو

ٹھنڈی سانسین لی ہین برسون دلمین اب گرمی کہان

(۱۲۴)

چہرے جیسے جو اون کے غنچہ و گل بازی نزاکت ہارے ہین

کان آکے صبا نے گرمائے پتون نے طمانچے مارے ہین

ہے پیش و پس اونمین اتنا ہی جو لطف و ستم کے مارے ہین

کچھ ملک عدم مین جا پہونچے کچھ عاشق گور کنارے ہین

چلتے نہین اوٹھکر ایک قدم پھرتے ہین مگر آنکھون مین صنم

قطب اس سے ہین بیٹھے جما کے قدم ثابت یہ نہو سیارے ہین

اوس گل کے غرور نزاکت سے امید گلے سے ملنے کی کسے

اوٹھتے نہین کو سنے کو بھی مرسے وہ ہاتھ جو پیارے پیارے ہین

دنیا مین ہے حسن جوانی تک ہر جاہنے والیکی چاہت

کہتی ہے یہ صاف اونکی حالت جو پھول گلے سے اوتارے ہین

بس رحم کر اب اسے سوز نہان سینہ ہوا جاتا ہی بریان

اوٹھتا ہے برابر دل سے دھوان اب داغ نہین انگارے ہین

بس آرزو انکو جانیدو دیدیکے نہ اب قسمین روکو

ہین اپنی غرض کے حضرت دل یہ دوست میرے نہ تمہارے ہین

(۱۲۵)

آرام کے ساتھی تھے کیا کیا جب وقت پڑا تھا کوئی نہین

سب دوست ہین اپنے مطلب کے دنیا مین کسی کا کوئی نہین

ہو چشم بصیرت تو دیکھے کس گھر مین نہین جلوے اُسکے
ظاہر کے یہ ہین سارے جھگڑے کعبہ نہ کلیسا کوئی نہین

گلگشت مین دامن منھ پہ نہ لو نرگس سے حیا کیا ہے تمکو
اوس آنکھ سے پردہ کرتے ہو جس آنکھ مین پردہ کوئی نہین

عبرت

جو باغ تھا کل پھولون سے بھرا اٹھکیلیونسے چلتی تھی صبا
اب سنبل و گل کا ذکر تو کیا خاک اوڑتی ہے او سجا کوئی نہین

آئینۂ و ساغر ہے باہم حیرت مین ہے دل آنکھین پُر نم
یاد آتے ہین اسکندر و جم اب محو تماشا کوئی نہین

ہر ایک نمائش کو دیکھا اک جھونکے مین کچھ بھی تو نہ تھا
ہستی ہے حباب بحر فنا اِس دم کا بھروسا کوئی نہین

بیٹھے ہین کہان اہل مسند آغاز وہ نیک انجام یہ بد
یا بزم طرب یا کنج لحد یا وہ مجمع یا کوئی نہین

کل جنکا واندھیرے سے تھا حذر رہتا تھا چراغان پیش نظر
اک شمع جلاوے تربت پر جز داغ اب اتنا کوئی نہین

جب بند ہوئین آنکھین تو یہ کھلا دو روز کا تھا سارا جھگڑا
تخت اسکا نہ اب ہی تاج اوسکا اسکندر و دارا کوئی نہین

قتالِ جہان معشوق جو تھے سونے ہین پڑے مرقد اونکے
یا مرنے والے لاکھون تھے یا رونے والا کوئی نہین

اے آرزو ابتک اتنا پتا چلتا ہے تری بربادی کا
جس سے نہ بگولے ہون پیدا اسطرح کا صحرا کوئی نہین

(۱۲۶)

اے شوق دید ابتو آنکھین بھی جا رہی ہین
تھین پاس وہ بھی شمعین سو جھلملا رہی ہین

جھک کر چمن مین بلبل جیسے کہ چپ ہوئی ہے
کلیان چٹک چٹک کر باتین بنا رہی ہین

دلکی کشش کو اب بھی گلشن سے ہی تعلق
کچھ پتیان قفس تک اوڑ اوڑ کے آ رہی ہین

ہے خواب کے حوالے سب انتظام جلوت
چلمن گرا کے پلکین پردہ اوٹھا رہی ہین

مٹی تو آرزو کی برباد ہو چکی ہے
اوٹھ اوٹھ کے آندھیان پھر کیون خاک اُڑا رہی ہین

(۱۲۷)

یہ ہوش کہان دل کھو بیٹھے کچھ پوچھے کوئی کچھ کہتے ہین
اک بت سے ہوئی کیا یاد اللہ کچھ بھولے ہوئے سے رہتے ہین

کیا جانے کوئی کیون روتے ہین ہم آتا ہی پسینہ کیون ہیہم
ناسور بہت سے ہین دل مین کچھ رستے ہین کچھ بہتے ہین

ہر بات پہ کھنچتا ہے خنجر دیکھا جب ادھر مارا نشتر
سینے مین ہے دل کی جگہ پتھر جو ٹوٹ پہ جو چوٹین سہتے ہین

تم یہ نہ کہو فریاد نہ کر صبر آئے ہمین آخر کیونکر
ہان ملتی ہے چپ کی داد اگر تو ہم بھی نہین کچھ کہتے ہین

خیر اب تو جو کچھ ہوتا ہے وہ ہو پہلے یہ خبر کیا تھی ہمکو
کرتے ہین تمنا وصل کی جو وہ ہجر کا دکھ بھی سہتے ہین

بادل اُمنڈ آئین جو ضبط کرون بھیگے نہ پلک بھی گر روؤن
کیا آنکھون کا اپنی حال کہون یہ دریا اُلٹے بہتے ہین

اے آرزوے تفتیدہ جگر پیری مین ہے جل بجھنے کا ڈر
وے جنکو تھپیڑے بادِ سحر وہ چراغ بھی روشن رہتے ہین

(۱۲۸)

ناز و نیاز شاہ و گدا جیتے جی کے ہین
آج اس تباہ خاک مین ذرے سبھی کے ہین

تصویر کامیابیٔ الفت ہے دل کی لاش
کچھ غم کے اشک آنکھ مین ہین کچھ خوشی کے ہین

اون کو فشار دیتی ہے اے قبر کس لیئے
مارے ہوئے جو کشمکش زندگی کے ہین

ہے اوسکی تیغ ناز کا کیا دیرپا اثر
دیکھے کوئی تو کہدے یہ چرکے ابھی کے ہین

جب تک یہی کشاکش امید و بیم ہے
لائق نہ رنج کے ہین نہ قابل خوشی کے ہین

پھر بیکسی ہی کا ہے کی جب کوئی پاس ہو
کیا کہتے ہو گواہ کدھر بیکسی کے ہین

شیرین کی خوابگاہ ہے فرہاد کا مزار
اب مٹ رہی ہین وہ جو گلے زندگی کے ہین

غیرت نے جوش اشک کو روکا ہے آرزو

	اب مین سمجھ گیا یہ پسینے اوسی کے ہین	

(۱۲۹)

دل جنکا گیا ہے رنج اونھین جو پا گئے ہین خوش ہوتے ہین
یہ اپنی اپنی قسمت ہے وہ ہنستے ہین ہم روتے ہین
ہر چند کئے مردے زندا بیمار رہی نام آنکھون کا رہا
ہوتا نہین اونسے علاج اپنا دکھ درد جو سبکا کھوتے ہین
محفل مین ہے مجمع اہل نظر رسوائیِ الفت کا بھی ہے ڈر
رہتا جو نہین قابو دل پر ہم آنکھ بچا کر روتے ہین
کھو سکتی ہے کیا کوئی غفلت دیدِ رخ جانان کی حسرت
دیکھے کوئی اونکی محویت جو کھول کے آنکھین سوتے ہین
ہو جاہے کسی کی بربادی چھوٹے گی نہ آرایش اون کی
لڑیان ہین یہان اشکون کی بندھی بالونمین وہ موتی پروتے ہین
الفت مین نظر یہ کسکی لگی حاصل نہ ہوئی پھر سرسبزی

گردون سے گری جبپر بجلی وہ درخت ہرے کب ہوتے ہین
دیکھے ہین جو اون کے لطف وستم سپتلے ہین امید وبیم کے ہم
شادی ہی مقدر مین ہے نہ غم نہ ہنسی آتی ہی نہ روتے ہین
اشکون نے جو کی ہی طغیانی غیرت سے ہی دل پانی پانی
دو قطرے یہ ہین وہ طوفانی جو نام وفا کا ڈبوتے ہین
اے آرزوئے وصل جانان بستر پہ اکیلے نیند کہان
کٹ جاتی ہی رات آنکھون مین یہان اور سونیوالے سوتے ہین
الفت مین سلیقہ جو جسکا انجام بگڑنا یا بننا
کچھ اپنے کئے پر ہنستے ہین کچھ اپنے کئے کو روتے ہین
گر ہے یہی گرمی سوز دلی کیا کشت امید ہری ہو گی
وہ پھل نہین پانے کے کچھ بھی جو بریان دانہ بوتے ہین
پھر کیا تھا جو دل مین خوف نہ تھا عاشق کے خون ناحق کا
کیا شان مین دھبا لگتا تھا دامن سے جو داغ وہ دھوتے ہین

فرقت مین کہان وہ خوش طبعی غم سے ہے طبیعت کھسیانی
جو تونکو ہنسا دیتے تھے کبھی یا آپ ہنسی مین روتے ہین

بس آرزو اب خاموش رہو ہوتی ہی جو کچھ بیداد ہو
شکوہ نہ کرو منھ سے نہ کہو معشوق سدا ایسے ہی ہوتے ہین

(۱۳۰)

جسکو ہو غم سے بیدلی شکوہ زبان پہ لائے کیون
دل ہی نہین تو کیسا درد اب ہی یہ ہائے ہائے کیون
غم سے جب آشنا نہین رحم سے واسطہ نہین
چھیڑنے والے آپ کون پوچھنے حال آئے کیون
ہان وہ ہی یار خود غرض ہان وہ ہے مطلب آشنا
جو ہو بڑا اداشناس پھر وہ فریب کھائے کیون
گریۂ بے سبب مرا فعل جنون ہے شک نہین
اپنی خبر تو لیجئے آپ یہ مسکرائے کیون

آہ سے کوئی فائدہ ضبط سے کوئی مدعا
راز لبون تک آئے کیون بات ہی تو چھپائے کیون

کہنے کی بات ہی نہین آہ کہین تو کیا کہین
لب پہ ہی کس لیے سکوت بیٹھے ہین سر جھکائے کیون

تاب وصیت اب نہین وقت عیادت اب نہین
بند زبان اگر کھلے کہدون کہ آپ آئے کیون

حسن ہے چشم شوق مین رونق شام زندگی
شمع اگر نصیب ہو پھر کوئی دل جلائے کیون

شمع نہین کہ جل اُٹھے دل نہین جو پگھل اوٹھے
عشق مین ہر سخن ہے راز کھل کے زبان پہ آئے کیون

ہوتی ہے چھیڑ چھاڑ کی کوئی بنا بھی آرزو
اُسنے تو کی نہین وفا آپ نے جور اُٹھائے کیون

اب اس گلشن مین اے شبنم نسیم صبحگاہی ہون
تجھے تو رات بھر بسنا ہے مین دم بھر مین راہی ہون

سراپا درد کا سایہ بھی آسیب مصیبت ہے
الگ ہٹ کر چلو مجھسے کہ مین غم کی سیاہی ہون

بنون کس منھ سے مین اے آرزو حقدار رحمت کا
ندامت سے سراپا عذر نا کردہ گناہی ہون

ضرور ہمت اہل جہان سے بدظن ہون
ترے کرم سے فقیر فراخ دامن ہون

جلا سے نہ جلونگا وہ سوختہ تن ہون
نہین مین شمع فسردہ کہ پھر سے روشن ہون

پتہ بتاتی ہے دلبر کا بے دلی میری
میان کوے وفا نقش پاے رہزن ہون

کسی کا دست ستم تھا کسی کی برق نگاہ

جسے سبھی نے اُجاڑا ہے وہ نشیمن ہون

لگی ہے اپنی ہی مین جل بجھا ہون صورت شمع

جو آرزو ہون اُسی آرزو کا مدفن ہون

یہ لاغری ہے مری زخمہ دزہ اہل وفا

چھپا ہوا ہون ہر اک آنکھ مین وہ سوزن ہون

جو سخت جان ہون تو اپنے لئے ہون اقبال

نہ ہون مین سنگ فلاخن نہ تیغ آہن ہون

مجھے تباہ کیا ہے وطن پرستی نے

صبا کی طرح ہوا خواہ اہل گلشن ہون

نہ توبہ کی ہے بظاہر نہ چھپ کے پی ہے شراب

بری ہون داغ ریا سے وہ پاکدامن ہون

جفا شعار سمجھکر دیا ہے دل مین سے

تمھارا دوست ہون ایسا کہ اپنا دشمن ہون

چھٹے نہ مر کے بھی اے آرزو شعار وفا
کہ ہون جو خاک بھی مٹ کر تو خاک دامن ہون

(۱۳۲)

ہر جا پہ مدعی ستم باغبان کے ہین
تنکے تمام باغ مین ایک آشیان کے ہین

برباد ہم ہین عشق مین مانند مرغ نو
پابند اک چمن کے نہ اک آشیان کے ہین

کچھ تم بھی کہتے جاؤ تو یاد آتے جائینگے
ٹکڑے جو میری بھولی ہوئی داستان کے ہین

کیا فیصلہ صحیح ہو پردے کی بات کا
اونکے یہ جور ہین کہ ستم آسمان کے ہین

اک مشت خاک پر مری کس کس کا ہے دباؤ
نازک وفا شناس کے جور آسمان کے ہین

اوٹھا غبار خاک سے اور مینھ برس پڑا
پوچھو دبے ہوون سے جو جور آسمان کے ہین

تم ہو کہ ایک طرز ستم پر نہین قرار
ہم ہین کہ پائے بند ہر اک امتحان کے ہین

گویا ہے عین جامہ دری یہ رفو گری
جوڑے کہان یہ جاتے ہین پرزے کہان کے ہین

ہون صرف تیلیون مین قفس کی تو خوب ہے
تنکے جو میرے اوجڑے ہوئے آشیان کے ہین

ہے گفتگوئے تشنۂ دیدار ناگوار
اب دل مین چبھتے ہین جو کانٹے زبان کے ہین

بوئے وفا نہ پائی حسینان دہر مین
بے فیض پھول آرزو اس بوستان کے ہین

(۱۳۳)

خاک ہو کر بھی نمایندۂ میخانہ بنون
کبھی خوش وضع صراحی کبھی پیمانہ بنون

اللہ اللہ فریب رخ زیبائے صنم
کعبۂ دل کو بھی حسرت ہے صنمخانہ بنون

امتحان عشق مین منظور ہے غمخوارون کا
اک ذرا ہوش مین آجاؤن تو دیوانہ بنون

اے فلک میرے لیئے ہے اسی پستی مین عروج
تو مٹا مجکو مین خاک در جانانہ بنون

آب مے گل مین ہے نہان سوز فراق ساقی
پختہ ہو جاؤن تو خشت خم میخانہ بنون

بزم ہستی مین جلانے سے ہے جلنا اچھا
شمع بننے سے یہ بہتر ہے کہ پروانہ بنون

عشق ہے جرم اگر جرم سزاوار سزا
آرزو اب مفر اسمین ہے کہ دیوانہ بنون

(۱۳۴)

عالم کو بے بسی نے دیا اختیار مین
ٹھہرا گیا جہان جو مین تڑپا مزار مین

چھیڑا ہے خاک کشتۂ برق جمال کو
شعلہ بنی ہوئی ہے ہوا کوئے یار مین

نیرنگیون سے دور ہے یکرنگی مذاق
سوکھے خزان مین ہین شجر سے بن بہار مین

دو بھر کسی کو یون نہین ہوتی ہے اپنی چیز
دل اس سے دیدیا کہ تھا اختیار مین

ایک ایک رات مین ہوئے دو دو چراغ گل
آنکھین بھی ساتھ دے نہ سکین انتظار مین

روز ازل سے حسن کی جانسوزیون کا راز
پروانہ بنکے دیکھ رہا ہون شرار مین

تربت ہے اک شہید کی ہر ذرۂ زمین
یہ کتنے مٹ کے خاک ہوئے کوئے یار مین

پردہ ہے اک مخالفت ظاہری نہ دیکھ
ہے ربط ارتباط خزان و بہار مین

سوز غم فراق ہے اور اندھیری رات
اک شمع تا بہ حشر جلے گی مزار مین

یکسوئی خیال کا دشمن ہے دور چرخ
مجبوریان بھی تو نہین اختیار مین

پانی کبھی ہے جوش غم دل کبھی شرار
آنسو رکے تو آگ لگی جسم زار مین

دامن کو چھوڑتی ہی نہین خاک لکھنؤ
تنہا ہے آرزو اسی اُجڑے دیار مین

بظاہر ہستی بے مدعا مین سوختہ جان ہون
اندھیرے کا اوجالا ہون چراغ شام ہجران ہون

کبھی پروانہ جانباز گھر شمع شبستان ہون
مگر جس رنگ مین ہون ماجرائے نو پنہان ہون

تکلف سے الگ رہ کر نہین تکلیف کا کھٹکا
کہون کیا وضع اپنی اک لباس بے گریبان ہون

حقیقت میرے آب و گل کی سے اے سرگشتگی بتلا
حباب قلزم مواج یا گرد بیابان ہون

بنایا ہے بگولا سا نفس نے اس جسم خاکی کو
مین خود اس سیرگہ مین اپنی بربادی کا سامان ہون

مری دیوانگی بنیاد ایجاد سلاسل ہے
بنا جس دن سے زندان زینت آغوش زندان ہون

جو گزرے حد سے بیتابی تو صبر آموز ہوتی ہے
سراپا درد ہون لیکن دوائے دردمندان ہون

گرا پروانہ شعلہ پر تو بول اٹھی لگی دل کی
کیا دونون کو جس نے ایک مین وہ ربط پنہان ہون

سمجھ لے رازپوشی میں مجھے اے شمع اپنا سا
کہ جس دن سے زبان پائی ہے خاموشی مین نالان ہون

خداوندا عوض منت پذیری کے وہ جوہر دے
خود اپنے درد کا اس دم کہ بھری دنیا مین درمان ہون

جلے دل کا پتنگا جان کر اے شمع و مجھکو
کہ تو اک رات کی رونق ہے مین دم بھر کا مہمان ہون

مین کیا ہون کون ہون اے آرزو ہستی مری کیا ہے
جسے خود بھی نہ سمجھا آج تک وہ راز پنہان ہون

۱۳۱

یہ گلِ رضائے حبیب ہے اسے ڈھونڈھ گلشن نازین
مرا سجدہ داغ ریا نہین کہ ملے جبینِ نیازمین

وہ جو شان ناز و غرور تھی نظر آئی حدِ نیازمین
یہی حکمرانِ ایاز تھا کہ ہے اختیار ایازمین

کسی رات مین شب پڑھی گئی کہ ضیقِ وقت سے بن پڑی
جو نمازِ شوق ادا ہوئی شبِ قدرِ زلفِ درازمین

نہین پاس مایۂ صبر اب ہوئی نذرِ گریۂ بےسبب
وہ گہر بکھر گئے آج سب کہ جو تھے خزینۂ رازمین

یہ جہان ہے منزلِ آب و گل اسے طے کرے، پہ کسکا دل
وہ قدم ہون جو رہین مستقل خطرِ نشیب و فرازمین

نہ ہے صاجی نہ ہے بندگی کوئی حالت اور ہے تیسری
... بتون مین شانِ سکوت کی نہ ہے نازمین نہ نیازمین

ہوا قطرۂ گوہر بے بہا تو پھر اس کا کبر و غرور کیا
وہی اب بھی مین ہون جو پہلے تھا نگہِ غریب نواز مین

جو ذرا بھی تارِ نفس چھڑا تو یہ دل سے آنے لگی صدا
جو ہو پردہ نغمۂ راز کا کوئی ہے وہ پردہ بھی ساز مین

ہے عجیب شیشۂ دل حزین کسی ایک حال پہ جو نہین
کبھی پیش دیدۂ عیب بین کبھی دست آئنہ ساز مین

مرا سجدہ سہو مین پڑ گیا اب اسے قضا کہون یا ادا
تری یاد نے یہ غضب کیا کہ ستا یا آکے نماز مین

اثرِ نگاہ تھا ہر طرف کہ الٹ کے گر گئی صف پہ صف
ہوے سیکڑون ہی جگر ہدف ترے ایک ناوک ناز مین

مرے بہتے اشک نہ رک سکے کہ سراج ملتا ہے شمع سے
وہین سے شعلے بھڑک اٹھے ہوئی کچھ کمی جو گداز مین

اب ان آرزوون کا کیا پتا کہ مزار بھی تو نہ بن سکا

تری شوخیون نے ڈبو دیا جنھین بھر کے دل کے جہازین

یہ سوائے شمع ہر کس کی خو کہ جلے دل اور نہ آئے اُف
یہ سکوت دیکھ لو آرزو کہ ہر کس زبانِ درازین

(۱۳۷)

ضبطِ غمِ دل آسان اظہارِ وفا ممکن
ہونے کو یہ سب ممکن ملنا ترا ناممکن

نالون کا اثر ممکن تاثیرِ دعا ممکن
اس ہونے پہ ہر شے کے کچھ بھی نہوا ممکن

اس عالمِ امکان مین کیا ہے جو ہے ناممکن
ڈھونڈھو تو ملے عنقا چاہو تو خدا ممکن

جو سب کی تمنا ہے سنتے ہین کہ ہر جا ہے
دشوار پہونچنا ہے ملنا تو پتا ممکن

جس کو تری خواہش ہین دنیا سے نہین مطلب
اُس کے لیے یکسان ہے ہر ممکن و ناممکن

ہین چشمِ مروت کے بے دید ہی معنے
ہین درد سے جان برلب اور تجکو دوا ممکن

بیجا بھی سہی شکوہ غصہ تمھین کیون آیا
مین بھی تو بشر ہی ہون انسان سے خطا ممکن

دو گز ہے زمین کافی بستی ہو کہ ویرانہ
پڑ رہنے کو جا آسان مر مٹنے کو جا ممکن

کیون خونِ جگر پیتے کس واسطے غم کھاتے
ہو جاتا اگر جینا بے آب و غذا ممکن

مرنا ہی چاہیے گا جینا جسے مشکل ہو | پھر زہر ہی کیون کھاتے ہوتی جو دوا ممکن

اے آرزو اب مین ہون اور عشق کی رسوائی
خاموش بھی گر بیٹھو چرچا نہ ہو کیا ممکن

(۱۳۸)

کوئی چٹکا ہوا شیشہ ہون یا ٹوٹا ہوا دل ہون | بہر صورت مین اک آئینۂ بیداد قاتل ہون
بنا دون محو حیرت آنکے مانے کو جو بسمل ہون | مین خود وارفتہ ہون لیکن ادب آموز محفل ہون
محبت مین مزاج اتنا تو مل جانا ضروری ہے | کہ شوخی ہو تری جتنی سے پیدا اور مین بسمل ہون
امید و بیم الفت نے کیا قائل تناسخ کا | کبھی ہنستا ہوا غنچہ کبھی روتا ہوا دل ہون
مفر ممکن نہین ہو کر کنارہ کش بھی دنیا سے | کہ موجین جس سے ٹکراتی ہین آ آ کر وہ ساحل ہون
تری خو نے جفا مجھ مین بھی ہے ظالم مگر یون ہے | کہ تو اورون کا قاتل ہے مین اپنا آپ قاتل ہون
انا لیلیٰ کے دعوے بھید دل کا کھولے دیتے ہین | مین پشت ناقۂ وحشت پہ اک بے پردہ محمل ہون
زبان سے راز الفت جب بیان کرتے نہین بنتا | تو خود لکنت یہ کہتی ہے مین شرح مطلب دل ہون
مری بے چینیان الزام بے صبری کو دیتی ہین | بندھے ہین دست و پا جس کے مین وہ مجبور بسمل ہون

جہانِ تو ہی ہر ذرّہ مرے صحرائے وحشت کا
بتا دوں راستہ رہبر کو وہ گم کردہ منزل ہوں

نگاہِ ناز نے تیر افگنی میں کیوں کمی کر دی
ابھی ہے جان کچھ باقی ابھی مرنے کے قابل ہوں

ہوا ہی جذبِ جس جا خون تربت بھی وہیں ہو گی
بڑے دعوے سے حقدار زمینِ کوئے قاتل ہوں

جہاں ہو مدعی علم لیکن آرزو میں تو
نہ سمجھا آج تک اپنی حقیقت بھی وہ جاہل ہوں

(۱۳۹)

صبح کریں گے مثلِ شمع ہم فراقِ یار میں
جس کو امید ہی نہیں کیوں رہے انتظار میں

لے بھی گیا جنونِ شوق لاش کو کوئے یار میں
جز کفِ دیدہ اب خاک ہے کیا مزار میں

مرنے پہ بھی نہیں فراغ جلتا ہی ہے بھی داغ
ہے سرِ قبر اک چراغ شمع ہے اک مزار میں

مٹ کے بھی تھے وفا کے ساتھ دامنِ دلربا کے ساتھ
مل کے چلے ہوا کے ساتھ چھپ کے رہے غبار میں

خواب میں ہی زمانہ بجز خفتہ نصیب اک مگر
آنکھیں لگائے سوئے در بیٹھا ہی انتظار میں

سیکھے ہیں کھو کے آبرو جب ہے یہ اپنی گفتگو
دل نہ لگائے آرزو ہو اگر اختیار میں

ردیف واو

(۱۴۰)

پردہ جو دوئی کا اُٹھ جائے پھر دو نہ رہیں افسانے دو
دھوکا ہے یہ نام دیر و حرم بت ایک ہی ہے بتخانے دو

تھی خاک بگولا بن کے رواں اور روح عدم میں سرگرداں
اک دم سے ترے دیوانے کے آباد ہوئے ویرانے دو

اب یا تو وہ دلبر ہی چھوٹا یا ہاتھ اُٹھا یا دل ہی سے
کب تک یہ کشاکش کی حالت نبھنے کے نہیں یارانے دو

پروانہ جو چپ ہے تو رہنے دو کیا کہتی ہے شمع اُدھر دیکھو
کہنے سے سمجھنا ہے مشکل ہے ایک زبان افسانے دو

آنکھیں وہ رسیلی صبر شکن اور جوش بھرا دل بے قابو
بھڑکی ہوئی پیاس یہ گرمی کی اور چھلکے ہوئے پیمانے دو

جب دل میں جھجک آجاتی ہے خود ہاتھ لرزنے لگتے ہیں

یا عشقِ جفا سے باز رہے یا خوف خدا کو جانے دو

اے شمع نظارہ سوز بتا اس گرمیِ حسن سے فائدہ کیا

اندھیر ہے بزم جلوہ گری جس روز جلے پروانے دو

ناصح ہو کہ آزر کے شیدا دونون کو مرض نافہمی کا

سمجھائے کسے روکے کس کو بھڑ جائین جو یون دیوانے دو

(۱۶۱)

رونے پہ مرے ہنستے کیا ہو بے سمجھے نہ دیوانہ جانو

دل کس سے لگا یا ہے تم نے تم درد کسی کا کیا جانو

کہہ سکتے نہین یہ بھی موسیٰ ہوش اُڑنے سے پہلے کیا دیکھا

دیدار کجا جلوہ کیسا اس کو بھی بس اک پردا جانو

رونے پہ کسی کے کوئی ہنسے ہنسنے پہ کسی کے کوئی رو دے

جو بات ہے جسکی وہ جانے ہم کیا سمجھین تم کیا جانو

ہر چند سمجھ کیا سکتے ہو چپ رہ کے مری خاموشی کو

بت بن چکے اب انسان بنو اتنا تو کہو جتنا جانو

کہنے سے نہ کہنا ہی اچھا نادان سے پردا ہی اچھا
ہر طرح ہے اچھا ہی اچھا تم حال نہ جانو یا جانو

مایوس وہ دل ہر پہلو سے آخر کہو کسکا ہوکے رہے
جس کو نہ ہمیں اپنا سمجھوں جسکو نہ تمھیں اپنا جانو

میدان تصور محکم ہے آزاد خیالی کیا کم ہے
بے قید جنون کا عالم ہے زندان بھی ہو تو صحرا جانو

سیلاب نگاہ حسرت زا جب چاہے ڈبو دے یہ دُنیا
سمجھو نہ اسے سوکھا چشمہ اک بہتا ہوا دریا جانو

اے آرزو اُن سے تم نہ کھنچو بڑھ جائیگی وحشت دیکھو
اس سلسلۂ بے ربطی کو زنجیر جنون افزا جانو

(۱۴۲)

دل تو جبھی ہم دینگے کہ جب ان گالون کا اک اک بوسہ دو

ورنہ ہے خالی باتین بنانا لینا ایک نہ دینا دو

توڑکے دل جز داغ ملا کیا آخر یہ تو بتلا دو

تم سے کہا تھا کس کافر نے بنتے ہی بُت کعبہ ڈھا دو

چارہ کار نہ ہو جب کوئی غمخواری خونخواری ہے

دل کی دوا تو مل چکی تم کو زہر ہی تھوڑا سا لا دو

خوب ہوا دل زلف مین اُلجھا بچ کے گیا تھا نظرون سے

ہے یہ چور سزا کے قابل باندھ کے اس کو لٹکا دو

پھیر لین بے اُلجھائے نگاہین جاؤ بھی جی بس دیکھ لیا

توڑ ہی دینا ہے جب رشتہ باندھ تو لو پھر جھٹکا دو

دل کا ناسور آنکھون سے دیکھو جوش ہو اس مین سمندر کا

رسنے والا ایک ہے سو تا بہنے والے دریا دو

رحم و غضب کا ایک ہے حاصل تم کیون قاتل بنتے ہو

شان نہ چھوٹے معشوقی کی زہر بھی دو تو میٹھا دو

ملک عدم کے جانے والو وقت سفر کا ایک نہین
تم ابھی ٹھہرو ہمکو ہے جانا بیچ سے سر کو رستا دو

آرزو اک غم کا پتلا ہے شادی مرگ نہ ہو جائے
زہر نہین دیدار کا شربت لیکن تھوڑا تھوڑا دو

(۱۴۷)

دیکھا جو پست ہوتے اورون کے حوصلے کو
یوہین دبائے رکھا اس دل کے ولولے کو

بد عہد نے دئے ہین نقصان کیسے کیسے
جانے دو ساتھ جی کے اب اس معاملے کو

چہرہ سے برہمی مین پردہ ہٹانے والا
منسوخ کر رہا ہے آپ اپنے فیصلے کو

اے جذب کھینچ اُن کو اے شوق مجکو لیچل
آسان ہے گھٹانا کوسون کے فاصلے کو

ناکام حسرتون کو جوشِ خوشی نے مارا
منزل پہ آکے لوٹا رہزن نے قافلے کو

یہ آگ مین ہے گویا اور آگ اک لگانا
رہ رہ کے چھیڑتے ہو کیون ایک دل جلے کو

اے آرزو نہ روکو بڑھتی اُمنگ دل کی
اچھا نہین دبانا اس خام آبلے کو

(١٤٤)

کہنا پڑا نہ کیا کیا اُس دلستان سے ہمکو / آتی ہے خود حیا اب اپنے بیان سے ہمکو

خالی تھے بیخودی مین ہم سے تو دونون عالم / اے ہوش ڈھونڈھ لایا یہ تو کہان سے ہمکو

چاکِ قفس سے جس تک جاتی نہین نظر بھی / اب کیا رہا تعلق اُس آشیان سے ہمکو

آنکھین ہماری ہونگی اور پتلیان تمھاری / محشر مین ڈھونڈھ لینا اپنے نشان سے ہمکو

جب یہ سمجھ لیا ہے یہ کچھ نہین کہے گا / جو چاہے آپ کہہ دین اپنی زبان سے ہمکو

اے آرزو چھوٹے کا کلمہ نہ اُس صنم کا
اُلفت نے جسکی کھویا دونون جہان سے ہمکو

(١٤٥)

سب کچھ ہے وہین جلوۂ جانانہ جہان ہو / کعبہ بھی اُسی حد مین ہے بتخانہ جہان ہو

خلوت مین مخل ہوتی ہے سائے کی دوئی بھی / کوئی نہو اُس جا ترا دیوانہ جہان ہو

ہان لے نکل اے بیخودی اس قیدِ خودی سے / جانا ہے وہان دخل کسی کا نہ جہان ہو

کس درجہ ترا حسن ہے سرریزِ محبت / دم بھر مین چھلک جائے نہ پیمانہ جہان ہو

ممنون پر و بال نہین جذب کی تاثیر
خود شمع اُدھر کھنچتی ہی پروانہ جہان ہو

مخصوص ہے اس کے لئے کعبہ نہ کلیسا
سجدہ وہین ہوگا درِ جانانہ جہان ہو

سینہ مین ہی جب دل تو خوشی بھی ہی غمی بھی
سب دور وہین ہوتے ہین پیمانہ جہان ہو

اک قالب بے روح ہے ہر خاک کا ذرہ
بستی ہی قدیمی وہی ویرانہ جہان ہو

ہوتا ہے جدہر آئنہ کھنچتا ہی ادہر عکس
دنیا وہین ہو گی دلِ دیوانہ جہان ہو

جلتا ہوا دل رکھدو وہان شمع ہٹا کر
اک کشتۂ حسرت کا عزاخانہ جہان ہو

اے آرزو اب بیٹھین قفس ہو کہ نشیمن
کل ہون گے اُسی جا کششِ دانہ جہان ہو

(۱۴۶)

دل مین اپنے فریبِ رہزنِ جان کے لطف تماشا کو
جانے والے وقت سے پہلے چھوڑ چکے ہین دُنیا کو
خاک مین اے دل تیری کدورت ہمکو ملائے دیتی ہی

آپ بھی ہے مرنا کہ نہین ورگور نہ کر مجھ زندا کو
ہے یہی ضبطِ اشک تو اک دن آنکھ سے شعلے نکلین گے
موج کہان کی کیسا بھنور جب آگ لگا دی دریا کو
جن سے ہے دنیا بزم طرب یہ سب وہمی تصویرین ہین
دھوکے کی ہے گھما گھمی گھر نہ سمجھ اس صحرا کو

آرزو آنکھین گر روشن ہین طور کہان کا کیسا عرش
حُسن ہے ہر جا اور بے پردہ کیون کہین پھر جھانکو کو

(۱۴۷)

یون آگ لگاتے پھرتے ہو کیون جب گرم ہوا سے ڈرتے ہو
دل پہلے جلا کر خاک کیا اب ٹھنڈی سانسین بھرتے ہو
بے موت کوئی کس طرح مرے کڑکے نہ کمان خنجر نہ کھنچے
ہو ہاتھ یہ ہاتھ دھرے بیٹھے کچھ کرتے نہین کیا کرتے ہو
یہ بات تھی کیا عقدہ نہ کھلا جب زہر مجھے پیتے دیکھا

اک ٹھنڈی سانس تو لی اُس نے اتنا نہ کہا کیون مرتے ہو

تلوار اُٹھائی پھر رکھدی ابرو پہ بل آیا لب پہ ہنسی

بس دیکھ لی یہ ٹھنڈی گرمی جلاد بنے اور ڈرتے ہو

بس آرزو آج ہی دیکھ لیا کل پھر ٹوٹ گی یوہین توبہ

جب دل نہین اپنے قابو کا پھر کیون قابو سے گزرتے ہو

(١٤٨)

پھر حکم یہ دینا کہ اسے در سے اُٹھا دو
پہلے مگر اس کے کوئی دروازہ بتا دو

کرتے نہین خود عذر گنہ دیتے ہو الزام
اس سے تو یہ بہتر ہے کہ دیوانہ بنا دو

منظور جو ہو تیری ہوئی آنکھون کی تسکین
دیکھا ہو اُن کا کوئی آئینہ دکھا دو

ہے ٹوٹ کے بھی شیشۂ دل قدر کے قابل
کیون پھینکتے ہو لاؤ ادھر مجکو اُٹھا دو

دل ہے تو سویدا بھی ہے ہم ہین تو وفا بھی
ظاہر مین تم اس داغ کو رکھو کہ مٹا دو

کس کس سے بچے دل کہ ادھر عشق ادھر حسن
مشہور یہ ہے ایک کی دنیا مین دوا دو

دل تم سے لگا کر کسی پہلو نہین آرام
بولو تو ہو ناخوش جو نہ بولون تو ستا دو

اتنا تو ہے معلوم کہ ہر بزم مین ہو تم | پہچان لین آنکھین کوئی ایسا تو بتا دو

کب تک پئے وصل آرزو شیفتہ ترسے
پردہ جو دوئی کا ہے یہ خلوت سے اُٹھا دو

(۱۴۹)

بھولے بن کر حال نہ پوچھو بہتے ہین اشک تو بہنے دو
جس سے بڑھے بیچینی دل کی ایسی تسلی رہنے دو
رسمین اس اندھیر نگر کی نئی نہین یہ پرانی ہین
مہر پہ ڈالو رات کا پردہ ماہ کو روشن رہنے دو
روح نکل کر باغ جہان سے باغ جنان مین جا پہونچے
چہرے پہ اپنے میری نگاہین اتنی دیر تو پڑی رہنے دو
خندۂ گل بلبل مین ہوگا گل مین نغمہ بلبل کا
قصہ ایک زبانین دو ہین آپ کہو یا کہنے دو
اپنا جنون شوق دیا کیون خوف جو تھا رسوائی کا

بات کرو خود قابلِ شکوہ اُسلئے مجھکو اُٹھنے دو

(۱۵۰)

غم ناگوار اے دلِ دردآشنا نہو
پی اس مزے سے زہر کہ منھ بدمزا نہو

مجھکو زبانِ حال سے کہنا ہی رازِ عشق
بیٹھون نہ گر خموش تو مطلب ادا نہو

اُس بت کے دل مین رہ کے سہین مین نے خفیان
اور ایسی جا نہ تھی کوئی جس جا خدا نہو

کیا لطفِ دید اُٹھائے وہ مشتاقِ برق تن
دیکھا کرے جو یہ کہ کوئی دیکھتا نہو

بے چشم امتیاز نہ مہر شعلہ خو کو چھیڑ
بدلے ہوئے ہے بھیس کوئی دلجلا نہو

ہان ہان یہی ہی شانِ حجابِ کلیمِ طور
پردے اُٹھین ہزار مگر سامنا نہو

طے کر رہا ہون راہِ عدم لیکے اُلٹی سانس
جانا اُسی طرف ہے جدھر کی ہوا نہو

جو کہہ گئی سکوت مین حسرت بھری نگاہ
سو سو زبانین ہون تو وہ مطلب ادا نہو

موقع وہ عرضِ حال کا دیتے نہین مجھے
ترسی ہوئی نگاہ نے کچھ کہہ دیا نہو

ہے دل کو شوق چوٹ بھی کھانے کا آرزو
ڈر یہ بھی ہی کہ دردِ محبت سوا نہو

۱۵۱

غیر کوئی دم خلوت خلل انداز نہو
آپ پہلو مین جو ہون سانس بھی مساز نہو

مژدۂ وصل پر آنسو نکل آنا کیسا
یہ بھی برگشتہ نصیبی کا کوئی راز نہو

بیرخی سے بھی وہ دل چھین لیا کرتے ہین
اثر اتنا جب ادا مین ہو تو کیون ناز نہو

یہ رہائی ہے اسیری سے بھی بدتر صیاد
کہ کشادہ ہون پر اور طاقتِ پرواز نہو

حسن کی ہے یہ کرامت یہ ہی پردہ کی جفا
شیشہ ٹوٹے دلِ عاشق کا اور آواز نہو

سرخ اشکون کو مرے غور سے تکنے والے
دلِ خون گشتہ کی حسرت نظر انداز نہو

آرزو پھر وہ مکرر نہ کرے کیون اے
کوئی جس درد رسیدہ کا ہم آواز نہو

۱۵۲

بس اب گرائے نہ بجلی نگاہ کا شعلہ
بھڑک اُٹھے گا تجھے دل کی آہ کا شعلہ

کچھ اُس کو ہوگی اسی ٹھنڈی سانس سے تسکین
جلا رہا ہے جسے تیری چاہ کا شعلہ

لگی کا دل کی مرے حال شمع سے پوچھو
ہے شرحِ سوزِ زبانِ گواہ کا شعلہ

دبائے بیٹھا ہون سینے مین دکھ کا اک ڈھیر
نہ دل ہے اب نہ جلے دل کی آہ کا شعلہ

یہ تھے غریب کے آنسو کہ تیل کے چھینٹے
بھڑک اٹھا غضبِ کینہ خواہ کا شعلہ

جفائے دوست مین پیدا ہی شانِ دلسوزی
چراغ خلد ہے دوزخ کی راہ کا شعلہ

اب اُس کو خوف ہی کیا ہی عذابِ دوزخ سے
جلا چکا جسے شرمِ گناہ کا شعلہ

نہ بجھ سکا مرے اشکون کے گرم پانی سے
ارے تری نگہِ بے پناہ کا شعلہ

وہ سرد و گرم جہان آرزو ہین تک تھے
اب آنسوون کے ہین چھینٹے نہ آہ کا شعلہ

۱۵۳

رٹتا ہون مصیبت مین ترا نام ہمیشہ
آسان یونہین ہوتا ہے ہر کام ہمیشہ

ان گیسوون نے بڑھ کے بنایا تجھے صیاد
کاندھے پہ پڑا رہتا ہے اک دام ہمیشہ

بے بادہ پیا کرتا ہے دل گھونٹ لہو کے
رہتا ہے مرا تشنۂ خون جام ہمیشہ

لاتا نہین پیغام کوئی اُسپہ ہی یہ حال
قاصد کو دیا کرتا ہون انعام ہمیشہ

جا کر نہین پھرنے کی یہ بالونکی سیاہی
آئے گی یہان بعد سحر شام ہمیشہ

۱۵۵

دنیا ہی یہ رنگ اسکا بدلتا ہی شب و روز | تکلیف ہمیشہ ہے نہ آرام ہمیشہ

اے آرزو اس داغ محبت کی بدولت
رہتا ہون مین خورشید لب بام ہمیشہ

۱۵۶

اخفاے رازِ محبت مین کیا شان ہے اپنے مرنے کی
وہ درد کا بڑھتے ہی جانا اور طاقت اف بھی نکرنے کی

اس دم بخودی نے دم بھر کی اور آگ لگا دی سینہ مین
ہر وقت لگی ہین ضرورت ہے کچھ ٹھنڈی سانسین بھرنے کی

اب کیا ہے علاجِ غم دوری سوچین تو سمجھ مین آجائے
ہر وقت کی جانکاہی سے مگر فرصت ہی کسے ہی مرنے کی

دنیا تو ہے اپنے مطلب کی ہی جسکی کسوٹی خود غرضی
ہو دام بدی کا شک جسپر اتنی بھی نہ ایدل کرنیکی

جب چھوڑ دی سب نے ہمنفسی نغمے نہ سہی نالے نہ سہی

۱۵۶

خاموش رہا جائے کیونکر عادت تو ہے باتین کرنیکی

پھر تن خاکی دنیا مین کیون فکر ہے پختہ عمارت کی

ہر سانس نمونہ ہے اُسکا جتنی فرصت ہے ٹھہرنے کی

منزل ہے کدھر جاتے ہو کہان اک رد ہے خود فکرِ دربان
بس آرزو اُلٹے پاؤن پھرو یہ راہ نہین ہے گزرنے کی

۱۵۵

ستم سے شمع سراپا بیانِ راز ہوئی | کٹی زبان تو کچھ اور بھی دراز ہوئی

یہ نالۂ دلِ غافل ہے مرغِ بے ہنگام | ادائے فرض مین جو کا قضا نماز ہوئی

وہ انتظار کی شب نیند نہ جوانی کی | نہ بند تا بہ سحر چشمِ نیم باز ہوئی

فروغِ حسن کی بنیاد بھی ہے آتشِ عشق | کہ شمع سوختہ تن ہو کے جان گداز ہوئی

ہنسی وہ بھول گئے میری سانس اُکھڑ تے ہی | طرب فزا نہ صدائے شکست ساز ہوئی

بنی یہ سجدہ گہِ عرش کس شہید کی خاک | زمین گورِ غریبان کی سرفراز ہوئی

یہ کس نے قطع کیا آرزو کا نخلِ امید | زمین فخر پہ ہر شاخ سرِ نیاز ہوئی

عشق مین جو کچھ تھا کھو بیٹھے اپنی کیا اوقات رہی

جان رہی کچھ دن کو تو وہ بھی وقف صد آفات رہی

ضبط نے پھونکا اندر اندر آہ نہ لب تک آنے دی

شکوہ کیسا شکر کی جا ہے جان گئی تو بات رہی

پھیل گئی بالون مین سپیدی چونک ذرا کروٹ تو بدل

شام سے غافل سونے والے دیکھ تو کتنی رات رہی

آئینہ ضبطِ غم کا بنا ہے خود پردہ خاموشی کا

بیٹھ کے چپ حاصل ہوا کیا اب بات گئی یا بات رہی

کام ہی کیا ہے اس دنیا سے غم کی دنیا والون کو

صبح ہوئی سارے عالم مین آنکھون مین اپنی رات رہی

سوز ہجر سے جل مرنے کو شمع کے دیکھ اسے پروانے

مرد بچے سے ور اس میدان مین اکثر عورت ذات رہی

آرزو آکردہی یہ موسم عشق کی دنیا مین دیکھے
دل مین اُڑا کی خاک ہمیشہ آنکھون مین سماتا ہی

۱۵۷

جاگی جو آنکھ اپنے نصیبون کو رو گئی
وہ دیکھتے ہی دیکھتے نظرون سے چھپ گئے
آتا ہے سب دلون کو تجاہل کا بھی جواب
انجام دردِ عشق جو ہونا تھا ہو چکا

اٹھتے ہی خواب شب کا سمان صبح ہو گئی
مین جاگتا رہا مری تقدیر سو گئی
جو ہے تمھارے پاس ہی چیز کھو گئی
اب آپ جائین دل کی تڑپ ختم ہو گئی

ہین آرزو وہ شکوۂ غم پہ عرق عرق
آج اپنے دل سے جلتی کدورت تھی دھو گئی

۱۵۸

ہر ابر مین پوشیدہ بجلی کی چمک دیکھی
کثرت مین نظر آیا وحدت کا تری جلوہ
کر خوفِ خدا ظالم ڈر نالۂ سوزان سے

جو پردہ ذرا سرکا اُس رُخ کی جھلک دیکھی
پھولون کی مہک سونگھی شبنم کی چھلک دیکھی
بادل کی گرج سن لی کوندے کی لپک دیکھی

ہو کوئی ادا جسمین قاتل وہی ہوتا ہے
برچھی کی لچک دیکھی خنجر کی چمک دیکھی

تم پوچھو پوچھو اچھا ہم زہر بھی کھائینگے
ہان موسم گل آیا سبزہ کی لہک دیکھی

او نیند کے متوالے کیا حال کہون اپنا
آنکھون نے جھپکتے ہی شب بھی نہ پلک دیکھی

ہان آرزو اب سمجھے ہان ہان یہی دل ہوگا
اک پھانس کی سینہ مین ہر وقت کھٹک دیکھی

۱۵۹

غم سے دم بھر مفر نہین ہوتی
عمر یون تو بسر نہین ہوتی

آزماؤ دعا کو اب اپنی
کہ دوا کارگر نہین ہوتی

پہلے نالون سے تھا جہان نالان
کانون کان اب خبر نہین ہوتی

گھر جدائی مین ہے نمونہ قبر
شام ہوکر سحر نہین ہوتی

خود چلے آؤ یا بلا بھیجو
رات اکیلے بسر نہین ہوتی

ہم جدائی مین ہوگئے رسوا
مگر ان کو خبر نہین ہوتی

کسی نادان سے جو کہی جائے
بات وہ مختصر نہین ہوتی

جب سے اشکوں نے راز کھولدیا | چار اپنی نظر نہیں ہوتی
آگ دل میں لگی نہو جب تک | آنکھ اشکوں سے تر نہیں ہوتی

آرزو تم رُکے ہو کس بل پہ
آہ کیا بے اثر نہیں ہوتی

۱۶۰

اک معمہ تھی جو آشفتہ بیانی اپنی | خود کہی خود ہی سنی ہمنے کہانی اپنی
جھلملایا نہ کبھی سوز محبت کا چراغ | ایک بھڑکا ہوا شعلہ تھی جوانی اپنی
داغ ہجران بھی نگاہوں میں کھٹکتا ہوگا | اُن سے لیتے نہیں بنتی ہے نشانی اپنی
دامنِ صبر پہ ہے جوششِ گریہ کی نظر | آگ بھڑکائیگا بے وقت یہ پانی اپنی

آرزو کیا وہ مٹاتا جو نہ مٹتے تم آپ
کیا گلہ غیر کا خود قدر نہ جانی اپنی

۱۶۱

جاگتے گزری نہ سوتے گزری | ہجر کی مدت روتے گزری

خاک میں خاک مل لی جبتک
آنسوؤں سے منھ دھوتے گزری

رات مرنے کی اور یہ غفلت
ساری جوانی سوتے گزری

غم کی مرے کیا قدر ہو اُس کو
عمر جسے خوش ہوتے گزری

آرزو اک امید لگا کر
پاس ہی سے کچھ کھوتے گزری

١٦٢

حسرت کا مرقع ہے تصویر ہے عبرت کی
مرجھائی ہوئی صورت بیمار محبت کی

نکلے گا دھواں دل سے آنسو جو گرا دو گے
خاکستر سوزاں ہے مٹی مری تربت کی

جو دیکھ چکا ہوں میں اللہ نہ دکھلائے
آنکھوں میں سمائی ہے اب تک شبِ فرقت کی

لبریز لہو سے ہیں امیدوں کے پیمانے
آنکھیں تو ذرا دیکھو مشتاق شہادت کی

تم اپنی طرف کھینچو موت اپنی طرف کھینچے
کیا جان غضب میں ہے بیمار محبت کی

رنگ **آرزو** اُڑ اُڑ کر کہتا ہے مرے رُخ سے
یہ شامِ جدائی بھی ہے صبحِ قیامت کی

۱۶۳

سوزِ غم دے گیا کون سار شکِ گُل یہ ہوا عشق کی کس چمن میں لگی
آنچ دل سے اُٹھی لو جگر تک گئی مُنھ سے نکلا دھوان آگ تن میں لگی

تا بہ عہدِ جنون دھوم نالون کی تھی بیخودی جاتے ہی شرم آنے لگی
لو وہ دل کی گرہ خود بخود کھل گئی لو وہ مُہرِ خموشی دہن میں لگی

یہ اچانک نظر کس طرف جا پڑی سادگی کی ادا آنکھ مین کھپ گئی
اُف کنکھیون سے تکنا ستم ہو گیا دل پہ برچھی اسی بانکپن مین لگی

پھر بہار آ گئی گھر مین اُلجھن ہوئی پھر پڑی بیخودی دُھن لگی دشت کی
اُف یہ جوشِ جنون اُف یہ گرمیِ خون پھول کھلنے لگے آگ بن مین لگی

آرزو آرزو کیا ہوا کیا ہوا چپ ہو کیون چُپ ہو کیون کچھ کہو کچھ کہو
فق ہے مُنھ زرد رُخ چشم تر خشک لب چوٹ دل کو کہیں انجمن مین لگی

۱۶۴

یہ اچانک کدھر نگاہ گئی | ساتھ دل سے نکل کے آہ گئی

پیری اچھی شباب و طفلی سے
کہ برے حال میں نباہ گئی

اُن کو جنبش نہو فلک ہلجاسے
کیا غلط راستے سے آہ گئی

دختِ رز آئے بزم زاہد میں
پارسا تھی کہ نیک راہ گئی

کیا بلا تھی یہ انتظار کی رات
شمع گُل کرکے رو سیاہ گئی

کوئی بجلی تھی لہر گیسو کی
کہ جھلک دیکھتے نگاہ گئی

آرزو جام لو جھجک کیسی
پی لی اور دہشت گناہ گئی

۱۶۵

الفت کا نتیجہ کچھ نہ ہوا قسمت جو لڑی بھی تو پھوٹ گئی
اک عہد شکن سے عشق کیا جو آس لگائی وہ ٹوٹ گئی

اے سوزِ نہاں بس کر بس کر ہے طرفہ تماشا تیرا اثر
ظاہر جو ہوے آہوں کے شرر پھرے یہ ہوائی سی چھوٹ گئی

یہ آرزو اک پیغام مرا خوبانِ جہاں سے کہدو ذرا

پاؤ گے نہ دل سے عہد وفا جو پہلے تھی اب وہ ہوٹ گئی

۱۶۶

یہ کیون کہون کہ خوشی کی گھڑی نہین آتی — ہنسی کی بات پہ بھی اب ہنسی نہین آتی

غضب ہے کہتا ہے ناصح کہ ترک الفت کر — ملا وہ دوست جسے دوستی نہین آتی

یہ سچ کہ ہوتا ہے غفلت سے دور رنج فراق — وہ کیا کرے کہ جسے نیند بھی نہین آتی

مہیب ہے وہ مرے غمکدہ کی تاریکی — قریب ڈر سے کبھی چاندنی نہین آتی

اُڑا کے دل کو اشارون مین آرزو لیجائے — وہ کم سخن کہ جسے بات بھی نہین آتی

۱۶۷

کبھی اپنی جگہ ایک جو صورت نظر آئی — بتخانے مین اللہ کی قدرت نظر آئی

اس وقت تو سمجھے نہ کچھ اے حسن نظر سوز — اندھی ہوئی جب آنکھ تو صورت نظر آئی

دیکھا جسے وہ دل مین لیے لیتا ہے تجھکو — ہر آئینہ مین اپنی طبیعت نظر آئی

اتون مین جو فردا پہ ٹلا وعدۂ دیدار — مشتاق نگاہون کو قیامت نظر آئی

جب دیدۂ خونبار سے دامن پہ نظر کی
لکھی ہوئی اک غم کی حکایت نظر آئی

غم قلزم مواج تھا دل چھوٹا سا ساغر
اے پیر مغان تیری کرامت نظر آئی

اُٹھی وہ گھٹا وقت گیا خوف گنہ کا
ہان جام کہ اللہ کی رحمت نظر آئی

شاید یونہیں ہو جائے جگر دل میں بھی الفت
آنکھوں میں تھا ری مری صورت نظر آئی

اے آرزو اُبھرے ہوئے اک نقش قدم میں
اپنے دل سرگشتہ کی تربت نظر آئی

۱۶۸

کیف نئے ہیں عشق کے ہر چاکوکہ ہے دور جام وہی
درد وہی ہے رنج وہی ہے چین وہی آرام وہی

حد میں جنون کی تھا جو نہ پہلے ہے یہ خیال خام وہی
جس کا نتیجہ ناکامی ہو کرنا ہمکو کام وہی

عشق میں ان اشکوں کے ہاتھوں اُلٹی گنگا بہتی ہے
آپ تھے جو الزام کے قابل دینے لگے الزام وہی

دل کی لگی کو شمع سمجھ لے بن نہ کسی کا پروانہ
ڈر ہے جنھیں کچھ بدنامی کا رہتے ہین گمنام وہی

ضعف سے کروٹ لینا مشکل درد سے دم لینا دشوار
جس کے ہر پہلو مین وقت پیش آیا ہے کام وہی

وصل و ہجر کا پیش و پس کیا سچا عشق مقدم جان
جو کچھ ہے آرام مین ایذا ایذا مین آرام وہی

رنگ جہان کے پیہم بدلے رنگ طبیعت یکسان ہی
عشق کی اندھی آنکھون مین ابتک صبح وہی ہی شام وہی

طور پہ موسیٰ چرخ پہ عیسیٰ دار پہ حق کہنے والا
زینے سب کے جدا گانہ ہین گو کہ ہے تیرا بام وہی

ترسی نظر اللہ بچائے ڈالتی ہے پتھر مین لکیر
دل کا اشارہ جس کی طرف تھا بیچ سے چٹکا جام وہی

اُلٹے پیر دن پھر کر ہم نے شوق کی منزل طے کر لی

یعنی جو آغاز مین دیکھا ہوتا ہے انجام وہی

گذری جوانی پیری آئی آرزو اب تو آنکھین کھول
دیکھ دورنگی کی یکرنگی صبح وہی ہے شام وہی

۱۶۹

اک خامشی سی تا بہ سحر انجمن مین تھی
گویا زبانِ شمع ہمارے دہن مین تھی

دعوائے حسن بن گئی آخر فغانِ عشق
جس مین تھا قیس لیلی اُسی پیرہن مین تھی

شرطون سے عہد نامۂ الفت کی ہے عیان
گویا زبان آپکی میرے دہن مین تھی

روشن نہوگی قبر اگر دل رہا سیاہ
کیا اُس سے فائدہ جو سپیدی کفن مین تھی

کیا کہیے اُس نگاہ کی طاقت ربائیان
اک سنسنی سی دیکھتے ہی تن بدن مین تھی

دل لے رہے تھے جب وہ رگاوٹ سے آرزو
اُسوقت سادگی کی ادا بانکپن مین تھی

۱۷۰

قفل تھا گویا زبان پر شرم رسوائی نہ تھی
دل تو سب کچھ کہہ رہا تھا مُنھ مین گویائی نہ تھی

ہائے وہ دن جبکہ دل کی تاب لب آئی نہ تھی | مین تماشا تھا مگر دنیا تماشائی نہ تھی

ولولے پاس حیا سے بن گئے گونگے کا خواب | دل مین لاکھون حسرتین تھین منہ مین گویائی نہ تھی

ہے تری پہلی نظر کا زخم دل مین آج تک | بھول جاتی جو کبھی یہ وہ شناسائی نہ تھی

تھا ہی کیا سارے جہان مین ایک جلوے کے سوا | ہائے اُن آنکھون کی حسرت جنمین بینائی نہ تھی

بحث کرلے شمع اب لو دے کے دل جلنے لگا | چپ تھے ہم اس سے کہ قابو مین زبان آئی نہ تھی

جوش وحشت مین بھی تھک کر بیٹھ جاتا ہی ترا | فرق اتنا ہی کہ پہلے آبلہ پائی نہ تھی

آرزوے قتل سنکر کچھ تو کہتی تیغ ناز | ہاتھ بھر کی تھی زبان اور منہ مین گویائی نہ تھی

اس حسین تک لے اندھے شوق مین نرگس کی طرح | تھے سراپا چشم اور آنکھون مین بینائی نہ تھی

ہوش کیون کھوئے جو دینا تھا نہ ساتھ اے یاد دوست | قید تھی پہلے بھی لیکن قید تنہائی نہ تھی

دل کی شوریدہ سری ہی کار بیکاری کا راز | پاؤن کی عادت مین داخل دشت پیمائی نہ تھی

پاس خاموشی سے وقتِ امتحان مانندِ شمع | آگ رکھ لی تھی ہتھیلی پر قسم کھائی نہ تھی

تھک گئے شانہ ہلانے والے اور کروٹ نہ لی | ایسی غافل نیند مجھکو عمر بھر آئی نہ تھی

کھلتی کلیان آرزو دینے لگین بوسے بہار | راز تھا جوشِ نو جبتک بہار آئی نہ تھی

۱۷۱

بے اثر آہ با اثر نہوئی ۔ خشک تھی شاخ بارو نہوئی

غم سے دل دے کے بھی مفر نہوئی ۔ کبھی سیدھی تری نظر نہوئی

کیا سے کیا ہوگیا جہاں کا رنگ ۔ مگر اونچی تری نظر نہوئی

یہ تو مانا کہ سن کے سوئینگے آپ ۔ اور کہانی تمام اگر نہوئی

ہم ہوے ختم رات باقی ہے ۔ اک قیامت ہوئی سحر نہوئی

یاد ہے دعوی وفا تیرا ۔ جسکی تصدیق عمر بھر نہوئی

کون پرسان بے خودی ہوتا ۔ آپ اپنی مجھے خبر نہوئی

تھی یہ تیرے ستم کی کوتاہی ۔ کہ دعا قابلِ اثر نہوئی

آرزو ہم بھی پوچھ لیتے مزاج
یہ ادھر کی تڑپ اُدھر نہوئی

۱۷۲

پھٹے دامن میں شرح حال چشم خونفشاں رکھدی

ورق تھا ایک جس پر لکھ کے ساری داستاں رکھدی
وہ تھے پرسانِ حالِ سوزِ دل ہم نے زباں رکھدی
کہ جلتی شمع لیکر اپنے اُن کے درمیاں رکھدی
مٹا کر اُس کے اک فقرے نے ساری داستاں رکھدی
کہ تاثیرِ سخن پر تہمتِ حسنِ بیاں رکھدی
نگاہِ گرم نے دعوائے جانبازی پہ جھلا کر
چھری جلتی ہوئی گردن پہ وقتِ امتحاں رکھدی
ہوس پوری جو کردی تجھ حریصِ بادہ کی تو نے
تو ساغر بین صراحی جیسے اے پیرِ مغاں رکھدی
قفس سے ٹھوکریں کھاتی نظر جس نخل تک پہونچی
اُسی پر لے کے اک تنکا بنائے آشیاں رکھدی
مبارک اے نگاہِ یاس اسپلی فتح کا سہرا
چڑھی تیوری سے اک قاتل کی کھنچ کر کماں رکھدی

سکونِ دل نہین جسوقت سے اس بزم مین آئے
ذرا سی چیز گھبراہٹ مین کیا جانین کہان رکھدی

برا ہو اس محبت کا ہوے برباد گھر لاکھون
وہین سے آگ لگ اٹھی یہ چنگاری جہان رکھدی

نگاہِ برق و چشمِ باغبان دونون کی زد مین ہے
وہ گلبن جس پہ غفلت مین بنائے آشیان رکھدی

لگاوٹ دلربا نکلی شرارت کج ادا نکلی
ہوا پہلو نشین جب وہ چھری بھی درمیان رکھدی

کیا پھر تم نے روتا دیکھکر دیدار کا وعدہ
پھر اک بہتے ہوے پانی مین بنیادِ مکان رکھدی

نہ ہے دستِ مژہ پر خون حسرت اب نہ دامن پر
ملی تھی اک نشانی وہ بھی کیا جانین کہان رکھدی

بدلتے رنگ نے چہرے کے آج اُن کے تجاہل پر

اُلٹ کر پھرتے درد دل کی ساری داستان لکھدی

در دل آرزو دروازۂ کعبہ سے بہتر تھا
یہ او غفلت کے مارے تونے پیشانی کہاں لکھدی

۱۷۳

ہدی مے کی مسلمان ہوکے واعظ جائے حیرت ہے
بُرا کہنا اک اچھی چیز کو کفرانِ نعمت ہے

ترقی دل کے مٹنے مین ہے بربادی مین وسعت ہے
کہ ہر ذرّہ کرہ ہے ہر کرہ دنیائے حسرت ہے

وہ ہے کیا چیز تجھ مین جس نے اپنا کرلیا سبکو
بہت سے یون تو دنیا مین ہین جنکی اچھی صورت ہے

کہان تک تیری اک ٹھوکر کا او ظالم اثر پہونچا
لحد مین مضطرب ہم سینے مین دل دل مین حسرت ہے

سمجھ مین سب کچھ آتا ہے مگر پھیر نہیں سکتے

الٰہی کیسی بیداری ہے یہ اور کیسی غفلت ہے

صراط عشق پر لغزش نہ ہونا چاہیئے اے دل

ذرا مین قعر دوزخ ہے ذرا مین باغ جنت ہے

ہنسے تھے آرزو کس دن وہ تیری رونی صورت پر

دعا کرنا ہو جو کرلے کہ وا باب اجابت ہے

۱۷۳

بات آج نہین کرنا آتی کل ناز و غرور آجائین گے

ہم راہ لگاتے ہین جن کو رستا یہ ہمین بتلائین گے

ہوتے ہین جو آج یہ قول و قسم بر وقت نہ کچھ کام آئین گے

جب دل مین ہبی آجائے گی الزام لگائے جائین گے

قسمت مین ہے وصل کہ ہجر صنم کیا جانے خوشی لکھی ہے کہ غم

رہ رہ کے یہ سوچ ہے اور ستم کیا ہوگا اگر وہ نہ آئین گے

مطلب سے نظر مین سمائے ہین دل کی مرے تاک لگائے ہین

۱۷۴

وہ پردے پردے آئے ہین اور پردے پردے جائین گے

ہم صبر کرین دل پر کہ جفا تم روکتے کیون ہو تمسے کیا
جس طرح سمجھ مین آئیگا اُس طرح اُسے سمجھائین گے

مطلب سے وہ ربط بڑھاتے ہین دل رکھ کے وقار گھٹاتے ہین
لوگ آج بلانے آتے ہین کل خود ہی دوڑے جائین گے

ہین آرزو ان کے ڈھنگ بُرے حسین ہین اپنے مطلب کے
یون آپ نہین کہنا سنتے دل دیکے بہت پچھتائین گے

۱۷۴

موت کا جوش جنون لیکے پیام آتا ہی
صید خود اپنے پرون تہِ دام آتا ہے

دل تو اسطرح کا نازک ہی خدا خیر کرے
کانپ جاتا ہی اگر ہجر کا نام آتا ہے

مے سے محروم ہون مین [illegible] سے محروم نہین
کہ جب آتا ہے لنڈھکتا ہوا جام آتا ہے

عشق کے جوش مین سامان ہی رسوائی کا
دل سے کچھ کہتا ہون لب پر ترا نام آتا ہے

آرزو دل بھی نہین درد جدائی کا شریک
سچ یہ ہے کون برے وقت مین کام آتا ہے

١٧٥

پردۂ روئے بے نقاب گیسوئے مشک فام ہے
حسرتِ دید کیا کرین نیتِ شب حرام ہے

وہ ہی یہ رنگِ عیش ہین جن سے کہ ہمکو کام ہے
ساقیِ سبزہ رنگ ہے بادۂ لالہ فام ہے

شرع مین اپنی واعظو حکم ہین میکشی سے کہ دو
دے جو کوئی حلال ہو خود جو پیے حرام ہے

لاکھ وہ بیرخی جتائے دل نہ وفا سے باز آئے
ہم سے جسے غرض نہین ہمکو اُسی سے کام ہے

سن کے ہو جب ملال اُسے رنجش ناہمی بڑھے
ایسے پیامِ شوق کو دور ہی سے سلام ہے

اپنی دورنگی مذاق رکھتی ہے سب سے نفاق
ہے کہین پاکدامنی اور کہین دورِ جام ہے

پہونچے ہین غیر سے جو غم یاد رہینگے اسکو کیے ہم
پردۂ شوقِ قتل مین حسرتِ انتقام ہے

ہو گئے ہین نہ فراق ایک کے بعد ایک شاق
رات کو یادِ صبح ہے دن کو خیالِ شام ہے

حشر مین بھی کہان نصیب دید جمال لفر وز نہ
جس کی بڑی اُمید تھی وہ بھی نہ التیام ہے

بیٹھے ہین جن کے نازنین ظلم کرینگے کیا حسین
ہاتھ مین ہے کہ آستین تیغ نہین نیام ہے

جتنے ہین صاحبِ وفا دیتے ہین اپنے دل مین جا
تم نے سنا ہو آرزو وہان وہی میرا نام ہے

۱۷۶

موسیٰ کی زبانی سنتے ہین جو دیکھتا ہے غش کھاتا ہے
یہ سچ ہے تو دے ایسی آنکھین تو جن سے دیکھا جاتا ہے
کس صبر سے اک راضی برضا دکھ سہکے ہوا مقتول جفا
آنکھون سے کوئی کیا دیکھے گا سن سن کے تو رونا آتا ہے
خوجب سے نیاز کی ڈالی ہے کچھ بڑھتے جاتے ہین ناز اُن کے
دستور یہی ہے دنیا کا ہر ایک دبے کو دباتا ہے
در اصل تماشا گاہ جہان خود ایک حجاب غفلت تھا
چھپنے لگے دلکش نظارے اب پردہ اُٹھتا جاتا ہے

۱۷۷

ل اُس کو اُٹھانا بھی ہوگا جو بستر آج لگاتا ہے
گھر سمجھو نہ اسکو ہے یہ سرا اک آتا ہے اک جاتا ہے
مزور جو مجھکو پایا ہے زور اپنا ہر ایک دکھاتا ہے

آنسو ہین کہ ٹپکے پڑتے ہین اور دل ہے کہ امڈا آتا ہے

حیران ہو نہ اے قاصد اسپر یہ پیام ہے شکوون کا دفتر
کہدے مری جانب سے جا کر جی اب تو بہت گھبراتا ہے

بے وجہ سہی رونا میرا اس رونے پہ ہنسدینا کیسا
معشوق کو کیا کہیئے اس جا عاشق تو سڑی کہلاتا ہے

اظہار ملال بھی کرتے ہین رسوائیون کو بھی ڈرتے ہین
اک ٹھنڈی سانس وہ بھرتے ہین جب نام ہمارا آتا ہے

ہے چین بجبین کوئی خود بین اب شیشۂ دل کی خبر نہین
کرتا ہے جو بیچ بچاؤ کہین وہ مفت مین مارا جاتا ہے

پوچھو نہ بس اب وہ رازِ نہان مدت سے جو ہے دل مین نہان
کہنے مین الجھ جاتی ہے زبان لکھنے مین قلم تھراتا ہے

دشوار ہے بات کی تہ پانا آسان ہے ناصح بن جانا
مشکل ہے سمجھ مین خود آنا پھر اور کو کیا سمجھاتا ہے

وہ سودائی ہے جو آتے ہیں جو آرزو اب کہلاتے ہیں معشوقوں سے عشق جتاتے ہیں منہ اُنکو کون لگاتا ہے

۱۷۸

عاجزی کی حد ہوئی اُٹھ رہتے نہ اپنا دل تھام لے
وہ چھڑائیں اب جو دامن تو گریبان تھام لے

ناتوانی میں تڑپنا بات قابو کی نہیں
رحم کر بیدرد بس جو ہو سکے وہ کام لے

روٹھکر اُس جانے والے پر تو کوئی بس نہیں
صبر کہتا ہے اب ایسے وقت مجھسے کام لے

اُف رے شوخی ہاتھ میرا اُٹھتے ہی خود کھینچ گیا
دیر سے اصرار تھا جس کا کہ لے یہ جام لے

جوشِ غم سے دل بہت گھبرا ہے اے یادِ قرہ
ہو گیا تیار چھوڑا نیشتر سے کام لے

کہتی ہے راہ عدم مین یہ سیاہی قبر کی
اے مسافر دم ذرا منزل پہ وقت شام لے

کلمہ پڑھتا ہے بت کافر اداکا آرزو
ہوش مین آ توبہ کر بندے خدا کا نام لے

۱۷۹

اور بڑھی خونخواری ترکان جنگ مین بادہ پرستی سے
آنکھ لڑاتے جی کا ضرر ہے اُن آنکھون کی مستی سے

سوز نہان سے ہون شرر آسا جلنے اور جلانے مین
سو اندیشۂ نیستی اب ہین ایک اسی اپنی ہستی سے

کہتی ہے وسعت وحشت دل کی تنگ جگہ مین گھٹنا کیسا
نجد سا جنگل ڈھونڈھ لو کوئی تم بھی نکلکر بستی سے

ظلم جو کرتے ہین وہ سرکش نظرون سے گر جاتے ہین
مل گئی آخر دیکھ اے گردون تیری بلندی پستی سے

زور ہے جولانگاہ جہان مین آرزو ان فزاؤن کا
دل کا بچانا سہل نہین معشوقون کی چابکدستی سے

١٨٠

کیا مجھسے پوچھتے ہو کہ کیسا مزاج ہے
اب مجھکو فائدہ ہو دوا و دعا سے کیا
عزت کچھ اور شے ہے نمایش کچھ اور چیز
جتنا کیا علاج مرض اور بڑھ گیا

دیکھو گے کل نہ یہ بھی جو کچھ رنگ آج ہے
وہ منھ پہ کہہ گئے یہ مرض لاعلاج ہے
یون تو یہان خروس کے سر پر بھی تاج ہے
بیمار عشق کا عجب اُلٹا مزاج ہے

جھجکے گلے لگانے مین وہ اجنبی اگر
کہدینا آرزو یہ یہان کا رواج ہے

١٨١

ہستی اک نیستی کا دھوکا ہے
نا امیدی مین ہچکی آجانا
عشق کا جوش حسن کے غمزے

جانے والے کو کس نے روکا ہے
اک تری یاد کا ٹہوکا ہے
ایک دل پر دبا و دو کا ہے

۱۸۱

حوصلہ ہو تو یہ چھری ہے حلق
آپ کا ہاتھ کس نے روکا ہے

ہمکو بھی تھی یہاں اسی کی تلاش
اجنبی بن کے جس نے ٹوکا ہے

جس سہارے یہ جی رہے ہیں ہم
اک دغا باز کا یہ دھوکا ہے

آرزو چاہ کب ہے رہنے کی
انتظار طلب نے روکا ہے

۱۸۲

تسلی بن بھی تخم غم بو دیئے
وہ سمجھاتے سمجھاتے خود رو دیئے

نہ یہ گل سی صورت دکھا کر بھاؤ
تم ایسوں نے سو داغ مجھکو دیئے

رکا دست ساقی تو آنکھوں نے جام
ادھر ایک مانگا ادھر دو دیئے

فغاں اپنے کر اے دل درد مند
وہ دیتے ہیں طعنے کہ بس رو دیئے

بنے گا بھلا کام کیا آرزو
حواس آپ نے پہلے ہی کھو دیئے

سامان کیئے دن بھر مین ہم اور چھوڑ کے وقت شام چلے
سنسان ہے گھر سونا بستر دکھ جھیل کے بے آرام چلے

گر جذب محبت مین ہی اثر تڑپا نہ ہمین اسے درد جگر
کیون جائین ادھر سے اُٹھ کے ادھر جب بیٹھے بیٹھے کام چلے

گھر کیا ہے مسافر خانہ ہے گردش مین مدام زمانہ ہے
اک روز جہان سے جانا ہے یا صبح چلے یا شام چلے

ہین تاک مین دل کی ناز و ادا پھندا ہی لگائے زلف جدا
اب دیکھین یہ صید بنے کس کا اور کس کافر کا دام چلے

نقصان نہین کیا مال ہے زر قائم رہے سکۂ داغ جگر
ہے چیز وہی سب سے بہتر جس سے کہ جہان مین نام چلے

الفت کا نتیجہ موت ہوا کی دوست نے ملکر جب دغا
دل دے کے بڑھاپے جل بھی دیا اب کس سے کہین ناکام چلے

رکھتی ہے تضاجس سے چشمک جھپکتے لگا نہ وہ ساغر کہ بہک

آخر تو خلاف ہے دور فلک کچھ دیر کو دور جام چلے

کیا ہم سے ضعیفوں کی ہستی اور جانے کی تاب عدم ٹھہری

یہ جان لو اک منزل طے کی ہم اٹھ کے اگر دو گام چلے

ہے آرزو اپنا قول یہی دنیا ہے اور اپنے مطلب کی

ٹکڑا ابھی سینے کا ہے وہی جس لخت جگر سے نام چلے

۱۸۴

دل لگی کچھ اور ہے دل کا لگانا اور ہے

ہے جگر کو زخم خوردہ دل سے ہمدردی بہت

ہم نے پروانے سے سن لیں شمع کی دلسوزیاں

دی نہ دم لینے کی مہلت اس فریب شوق نے

قول دنیا اور ہے باتیں بنانا اور ہے

ہاں اڑا دینا اسے بھی اک نشانا اور ہے

جی جلانا اور سمجھانا بجھانا اور ہے

سامنے منزل ہی تھوڑی دور جانا اور ہے

آرزو تازے نہوں گے پھر سے اگلے ارتباط

وہ زمانہ اور کچھ تھا یہ زمانا اور ہے

دھوان سا اُٹھا لحد سے میری نکل گئی جب گھٹا برس کے
ہے آتشِ شوق اب بھی باقی کہ مرگیا ہون ترس ترس کے

ابھی اسیری کی ابتدا ہے اور اُس پہ وہ طرحِ جفا ہے
قفس بھی صیاد کھولتا ہے پرون کو بھی باندھتا ہی کس کے

مدد کر الفت مین تو خدایا ہجوم غم اور مین اکیلا
جناب دل کا بھی کیا بھروسا کہ ہو چکے ہین پرائے بس کے

مریضِ غم کا اکھڑ چکا دم کہ ہچکیان آ رہی ہین پیہم
بجائے دیتے ہین سازِ ماتم یہ تار ٹوٹے ہوے نفس کے

حصول ذکرِ گزشتگان سے کچھ اپنی کہیے ہماری سنئیے
اُکھاڑتے آج کیون ہین مردے گڑے ہوے سیکڑون برس کے

یہ کون سا ظلم ہے خدا را چھپا سے ہو گیسوِ دل آرا
پڑا ہے یون ایک غم کا مارا کہ چھوڑ دے جیسے سانپ ڈس کے

یہین تھے کل تک کھلے ہوے گل اسی جگہ آشیان بلبل
نشان چمن زار کے ہین بالکل لگے ہوے ڈھیر خار و خس کے

ترس جو صیاد نے نہ کھایا خدا نے پھندے سے یون چھڑایا
اک ایسا جھونکا ہوا کا آیا کہ بند در کھل گئے قفس کے

کیا کہے گو عزیز نالے رکے نہ دنیا سے جانے والے
عدم کے ہین قافلے نرالے کہ آگے جاتے ہین سب جرس کے

ہے ذکر مے آرزو کی عادت عدو سے تو یہین یہی حضرت
کہین نہ کر دین خراب نیت پڑے ہوے مدتون کے چسکے

۱۸۶

دل گم ہے سامنے تم کیا پھیر ہو گیا ہے
ہے یون کہ دن دہاڑے اندھیر ہو گیا ہے

تبدیل ہو نہ جبتک بے لذتی ہی لذت
یکرنگی جفا سے دل سیر ہو گیا ہے

چادر سیہ گھڑی ہے پروانون کے دھوین کی
اک شمع کیا جلی ہے اندھیر ہو گیا ہے

مجبور رہا کے بدلا انداز کینہ دل نے
گرگ بغل تھا پہلے اب شیر ہو گیا ہے

آباد دل کا پہلو برباد آرزو تم
اس سیدھے راستے میں کیا پھیر ہو گیا ہے

١٨٧

ناز بھی خون کا پیاسا ہے نہ یہ جان سکے
بھیس بدلے ہوئے قاتل کو نہ پہچان سکے

تھے وہ گھرے ترے بیگانہ وشی کے پردے
آشنا ہوتے رہے اور نہ پہچان سکے

ہم سے بڑھکر ہے وہ مجبور جو پابند حجاب
ماننا چاہتا ہو اور نہ کہا مان سکے

غم کو یوں راز بنایا مری خاموشی نے
جس سے آگاہ تھے تم کچھ نہ اُسے جان سکے

آرزو آس ہے کیا شے کہ تہِ بامِ اُمید
دھوپ کی آڑ کو بھی سر پہ نہ کچھ تان سکے

١٨٨

دشمنِ سامانِ راحت جس صنم کی چاہ ہے
وہ بھی گر چھوٹا تو پھر اللہ ہی اللہ ہے

پردہ پڑتے ہی نظر کا کام کرتا ہے خیال
آنکھ اوجھل ہو تو کیا جب دل سے دل کو راہ ہے

ملتا جاتا ہے پتہ بڑھتا چلا جاتا ہوں میں
کس کا یہ نقشِ قدم چشمِ چراغِ راہ ہے

ہر ترے در کی فقیری تجھ تک آنے کی غرض | ورنہ اس دنیا مین کس کا فکر جاہ ہے

آرزو اسکو حجاب اور ہم کو حسرت دید کی
اس اندھیری رات مین بھی اشتیاقِ ماہ ہے

۱۸۹

بھروسا تھا کہ وہ عہدِ وفا سے منھ نہ موڑین گے
خبر کیا تھی کہ نازک ہاتھ یہ زنجیر توڑین گے

نہین معلوم اے یاران عہدِ زندگی کچھ بھی
ہمین کس کس نے چھوڑا ساتھ ہم کس کس کا چھوڑین گے

ہدایت توبہ بے فیض کی کرتا ہے کیا واعظ
جب اچھی طرح تر ہو لیگا جب دامن نچوڑین گے

کرون بند اس لیے آنکھین کہ خواب آے تو وہ آئین
جو خلوت مین قدم رکھین گے پردہ آپ چھوڑین گے

اسیر عشق جو ہین انکو آزادی سے کیا مطلب

سڑی کیا ہین جو سر زندان کی دیواروں سے پھوڑین گے
جگر کے آبلے دیکھے نہین جن چارہ سازون نے
مداوا اُن سے کیا ہو گا پھپھولے دل کے پھوڑین گے

کشش منزل کی بڑھ کر تھام لے ہاتھ آرزو ورنہ
تھکین گے پاؤن جن کے کس کے آگے ہاتھ جوڑین گے

۱۹۰

دشمن کے اگر وہ دوست بنے شکوہ کوئی نہ اُلہنا ہے
یہ اپنی اپنی قسمت ہے اور اپنا اپنا لہنا ہے
اے شوق خیالِ ننگ نہ کر اُس شوخ نگہ سے شرم گئی
دے تو بھی گریبان کو جھٹکا خنجر قاتل کا یر ہنا ہے
کہتی ہے وفا کی پابندی اُترے نہ گلے سے یہ مر کے بھی
قمری کی طرح اے سرو سہی جو طوق غلامی پہنا ہے
یہ دشت نوردی کا لیکا کچھ حلقۂ آہن سے ہے سوا

اے پاؤن کی بیڑی تو ہی بتا اس قید مین کبتک رہنا ہے

لو دے نہ اگر سوزِ نہان اے شمع جلاؤن خاک زبان

کہنا ہے جو کچھ او سوختہ جان تیری ہی زبان مین کہنا ہے

اے گریۂ حسرت بہرِ خدا ناسور بنا دے آنکھون کو

ہے دل مین لہو تو اک چلّو اور برسون اسے بہنا ہے

صحرائے جنون مین سو خلعت اس گرد کی چادر کے صدقے

جس پر یہ بہ دستِ ترسِ وحشت اب ہم نے وہ جامہ پہنا ہے

اُکتا کے مری خاموشی سے کچھ بول ہی اُٹھیگا وہ بُت

ہان لب ابھی ہلنے پائین اے ضبطِ فغان کیا کہنا ہے

اک جامۂ بوسیدہ ہستی اور روح ازل سے سودائی

یہ تنگ لباس یون چڑھتا خود پھاڑ کے ہم نے پہنا ہے

ہچکی مین جو اُکھڑی سانس اپنی گھبرا کے پکاری یاد اُنکی

پھر جوڑ لے یہ ٹوٹا رشتہ اک جھٹکا اور بھی سہنا ہے

دل لیکے جمالِ ہوش رُبا گم کردے حواس کہ ہمکو تو
آزادی شوق بھی مدِّ نظر پابند وفا بھی رہنا ہے
اب ہجر مین جو سانس آتی ہے اک نغمۂ دردِ مشتاقی ہے
دل ہے یہ فغان کش پہلو مین یا بجتی ہوئی اک شہنا ہے

کیا آرزو اسکی ساخت بھی ہے معشوق نواز و عاشق کش
ہے قید جنون جو طوق یہان ہو اُن کے گلے مین تو گہنا ہے

۱۹۱

دل مین ہے شعلہ فشان عشق بدن جلتا ہے
اشک دیدے تیے ہین تسکین کو دو اک چھینٹے
قید کمزور رہے اور قید کی مدت ہے دراز
بے اثر ایک ہی سا اشک رکین یا نا ہے
دل سے لو کا وہ اُٹھا آج کہ مین نے جانا
راکھ مین آگ ہے یا قبر مین اک سوختہ تن

بس بس اے آتش گُل بس کہ چمن جلتا ہے
دل جو غربت مین ہے ہم یاد وطن جلتا ہے
لاؤ زنجیر کہ اب بندِ رسن جلتا ہے
شعلے آنکھون سے نکلتے ہین بدن جلتا ہے
اب لگی آگ بس اب خانۂ تن جلتا ہے
نہ دھوان ہوتا ہے پیدا نہ کفن جلتا ہے

آرزو دیکھئے کیونکر ہو میسر صحت
تپ فرقت سے شب و روز بدن جلتا ہے

۱۹۲

وہی اچھے رہے جو آج تک چپ رہ کے پچھتائے
جو سچ پوچھو تو اُن سے راز دل ہم کہہ کے پچھتائے

نتیجہ ایک ہی نکلا کہ تھی قسمت مین ناکامی
کبھی کچھ کہہ کے پچھتائے کبھی چپ رہ کے پچھتائے

نہ دامانِ اثر دیکھا نہ راہ واپسی پائی
اب آنسو پانی پانی ہین کہ ہم توبہ کے پچھتائے

نہین ایسے سڑی ہم یہ غرض کا باؤلا پن ہے
کہا پھر بھی وہی سو مرتبہ جو کہہ کے پچھتائے

مآل اے آرزو پہلے نہ سوچے چوٹ کھانے کا
یہ اقرار حماقت ہے کہ ایذا سہہ کے پچھتائے

۱۹۳

درد گھٹنے سے خلل آہ کی تاثیر میں ہے
پہلے معلوم نہ تھا زور کمان تیر میں ہے

قطرۂ خون جسے طوفانِ تمنا کہئے
اب مرے دل میں نہیں ہی تو ترے تیر میں ہے

وہ پریشانیِ خاطر کہ جسے لکھ نہ سکے
شرح اُس کی اسی بے ربطیِ تحریر میں ہے

عمر بھر ہجر رہے پھر بھی نتیجہ ہے وصال
مجکو معلوم ہے جو کچھ مری تقدیر میں ہے

اس کی تقدیر میں تھے سیکڑوں جھٹکے لکھے
جتنا لوہا مری ٹوٹی ہوئی زنجیر میں ہے

قید کچھ بڑھ گئی ہے کوششِ آزادی سے
ہاتھ بھی اُلجھا ہوا پاؤں کی زنجیر میں ہے

ہائے قاتل وہ زمانہ کہ کلیجے پہ ہے نقش
اب وہ تجھ میں بھی کہاں جو تری تصویر میں ہے

آرزو پاؤں میں مثلِ سرِ فرہاد فگار
کیا اُسی تیشہ کا لوہا مری زنجیر میں ہے

۱۹۴

اخفائے غم بھی ہے عبث اظہار بھی بیکار ہے
اک زخم دل میں پڑ چکا اور وہ بھی دامن دار ہے

ان گیسوون کی لہر سے ان انکھڑیون کے زہر سے
سنبل کی حالت زار ہے نرگس ہے سو بیمار ہے
بچ ورنہ دھوکا کھائے گا دب جائے گا پس جائے گا
سایہ بھی بدکردار کا گرتی ہوئی دیوار ہے
اس قول مین شک ہو جسے وہ ہم کو تم کو دیکھ لے
جو خود نہین آزار کش وہ پھر غریب آزار ہے
جس طرح چاہے بے خبر شام جدائی کر بسر
تا صبح سو اینڈ کر قسمت ابھی بیدار ہے
تا قبر لے جاؤن گا مین اک داغ حسرت دہر سے
تاریک گھر کے واسطے کچھ روشنی درکار ہے

اسرار نیرنگ چمن گر ہون نظر مین آرزو
ہر پنکھڑی اک پھول ہے ہر پھول اک گلزار ہے

۱۹۵

کس شمع کی یہ ہوا لگی ہے
لو دل کو سوِ خدا لگی ہے

پھرتی ہے نسیم کیون مرسرُ
کیا اِس کو بھی کچھ ہوا لگی ہے

تھی شام سے صبح تک سوےُ در
اب چھت سے نگاہ جا لگی ہے

سو روگ ہین ایک عاشقی مین
یہ جی کو بری بلا لگی ہے

آنسو جو تھما تو ہوگا دیدار
کشتی ساحل پر آلگی ہے

راحت کی بھی ابتدا ہے تکلیف
زخمون مین غضب دوا لگی ہے

جس دن سے ملا ہی شربت دید
پیاس اور مجھے سوا لگی ہے

اے سانس نہ آ کہ دل مین ہی زخم
ٹیس اُٹھی ہے جب ہوا لگی ہے

مرتا ہون شب فراق بے موت
اپنی مجھے بد دعا لگی ہے

لگتی نہین آنکھ آرزو کیون
آخر کہین آنکھ کیا لگی ہے

———

۱۹۶

آپ کا انتظار کون کرے ‌ ‌ زیست کا اعتبار کون کرے

تاب نظارۂ جمال نہیں ‌ ‌ شوق بوس و کنار کون کرے

بخیۂ چاک جیب سہل سہی ‌ ‌ جمع ایک ایک تار کون کرے

ہاتھ بیچین ہے گریبان پاس ‌ ‌ انتظار بہار کون کرے

بن کے اس عاشقی میں خود مختار ‌ ‌ بے بسی اختیار کون کرے

غم دل ہی سے جب نہیں فرصت ‌ ‌ تو غم روزگار کون کرے

وقت خود نیک و بد کا آئنہ ہے ‌ ‌ سوچ میں دن شمار کون کرے

جسم بے جان ہے آرزو خود قبر
آرزوے مزار کون کرے

۱۹۷

پیری بنی جوانی ایسوں کے داغ دیکھے ‌ ‌ بجھتے سحر سے پہلے کیا کیا چراغ دیکھے

کیا دے رہی ہے دھوکا تو ہم کو اے جوانی ‌ ‌ تو نے لگائے جو جو مٹتے وہ باغ دیکھے

سنتا ہے کان دھر کے فریاد کون کس کی
یا نا شنو جہان میں یا بد دماغ دیکھے

جن کی بنا خزاں ہو ایسی بھی ہیں بہاریں
آنکھوں نے گل بھی ہوتے اکثر چراغ دیکھے

پایا نہ دور ایسا جس میں کہ ہو تسلسل
بزم جہان میں چلتے اکثر ایاغ دیکھے

نونہال سوکھے پچکے اتنا سا ہے بیاں لو پیارے
ہوتے ہیں خوشنما جو ایسے بھی داغ دیکھے

جو باعثِ خزاں ہیں اثر آپ بے خزاں ہیں
یہ فراغ دل سلامت ایسے بھی باغ دیکھے

بیخود ہوئے تو پہونچے خود گم ہوئے تو پایا
ٹکڑے ہوؤں کے ملتے یوں بھی سراغ دیکھے

پوچھے آرزو کے دل سے مرگ شباب کا غم
جس نے بھڑک کے بجھتے لاکھوں چراغ دیکھے

١٩٨

تلوار کی ہے آنچ تو ٹکرا کے بھی ضو دے
جب تخم ادا ہے کہ عوض خون کے بو دے

بجلی نہیں گرتی ہے تو دیتے ہیں خود آگ
گلزار جوانی کے پنپتے ہوئے پودے

میں ہو چکا پابستۂ زنجیر توکل
دینا ہے تو اے شان کرم بے تک و دو دے

جلدی نہ کرائے دست طلب مثل زلیخا
ہوتے ہیں نہ بردستیوں سے بھی کہیں سودے

سہ یہ شعر غزل سے علیحدہ سمجھنا چاہیے ۱۲ آرزو

اے شمع وبی آگ اُبھر آئی تو کیا لطف | اسطرح جلے دل کہ بو آئے نہ دھوئے

ہے آرزو اپنی یہی تسبیح تجارت
دے نام پر اُس کے جو عوض ایک سو ٹے

۱۹۹

تا عہد جوانی تھم نادان بیوقت کمر کیون کستا ہے
ہستی سے عدم کے ڈانڈے تک اک ات بسے کار ستا ہے
کیا شان بنائی الفت نے صورت پہ جنون برستا ہے
آتا تھا ترس پہلے جس کو منھ پھیر کے وہ بھی ہنستا ہے
جاگی ہوئی آنکھون نے اپنی نیرنگ جہان کا دیکھ لیا
کل تک تو یونہین سی سرخی تھی اب لیکن خون برستا ہے
رہرو جو عدم کا کوئی ملا یہ ٹوک کے اس سے پوچھین گے
سب جاتے ہین آنکھین بند کیے کیا جاتا بوجھا رستا ہے
پابندی غم جو رلاتی ہے وہ زلف سوا یاد آتی ہے

ہے دل کا تعلق بندِ رسن جو بھیگ کے خود ہی کستا ہے

باطن مین گذرتی ہے جو کچھ ظاہر پاتا ہون خلاف اُس کے

الفت مین سراپا زخم ہے دل کھسیانی ہنسنی جو ہنستا ہے

وہ زور رہا جوشِ وحشت کا یہ حال ہے اپنی طاقت کا

یا توڑتے تھے قیدِ آہن یا ہاتھ اُٹھنے کو ترستا ہے

لو گرم ہوائین آہون کی کچھ اپنے ہی حق مین زہر ہوئین

اب حال ہے یہ نازک دل کا جیسے کوئی پھول بکستا ہے

بے طے کیے قیمت دل لیکر قول آرزو اُن نے لفظون کا سنا

بازار مین حسن و خوبی کے سودے محبت سستا ہے

۲۰۰

یا دل کی طرح کمزورون پہ غصہ مین جو کوئی گرجتا ہے

انجام جفا کہتا ہے کہ سُن نقارۂ رحلت بجتا ہے

کہتی ہے یہ ناہموار لحد سامان یہان کا بھی کچھ ہے

خوش ہو کے جو عالی طبع کوئی خلوت کدہ اپنا سمجھتا ہے

جب کچھ نہ کسی سے کام رہا پھر آرزو اک تو ہی تو ہے
ہے جسکو مزہ یکسوئی کا وہ دونون جہان کو تجتا ہے

تھی گرم جو تیغِ رشک عدو چرکون پہ چرکے کھا کے اُٹھے
دل جلنے لگا شعلہ سا اُٹھا بیٹھا نہ گیا تھرا کے اُٹھے

یہ کان مین کس کی صدا آئی کیا سوتی ہوئی قسمت جاگی
ملتے ہوے آنکھون کو اپنی بستر سے جو ہم گھبرا کے اُٹھے

باتون سے تسلّی تھی دل کو وعدہ پہ بھروسا ہو نہ سکا
پھر ہو گئی ویسی ہی حالت جب پاس سے وہ سمجھا کے اُٹھے

او عہد شکن ہم جانتے تھے سب جھوٹے ہین وعدے کرکے سچے
جی اوب گیا بیٹھے بیٹھے گھبرا کے چلے اُکتا کے اُٹھے

طے ضعف مین جب کی راہ وفا ہر گام پہ غصہ آتا تھا
آنسو کی طرح تیورا کے گرے شعلے کی طرح تھرا کے اُٹھے

۲۰۰

ہر مرتبہ سر کی عدو کے قسم اب عہد کرینگے تم سے نہ ہم
چڑ کے دیے جاتے ہو بہم پھر کہتے ہو کیون جھلا کے اُٹھے

کیا آرزو ایسا طرزِ عمل جو ڈال دے پامردی مین خلل
لو بیٹھے تھے زانو توڑ کے کل پھر آج سہارا پا کے اُٹھے

۲۰۱

روؤن بھی نہ اُس دل کو جسے چھین لیا ہے
آنکھون پہ بھی کیا قصد حکومت کا کیا ہے

کم نشۂ مے سے نہین غصہ کا بھی کیفیت
بادہ کی طرح خونِ جگر مین نے پیا ہے

اب حال جنون مجھکو چھپانے بھی دے شرم
کیا جانیے کس کس نے گریبان سیا ہے

کس آس پہ ہو زیست جو ناکام پھرے آہ
اس تیر کا مارا کہین دم بھر بھی جیا ہے

بیدل ہمین سب کہنے لگے اور اُنھین دلدار
حالانکہ ابھی کچھ نہ دیا ہے نہ لیا ہے

ہر شے سے ہے پرہیز بجز شربت دیدار
جو تم نے پلایا تھا وہی زہر پیا ہے

مٹنے پہ مری خاک سے اُٹھتے ہین بگولے
تقدیر کے چکر نے بھی کیا ساتھ دیا ہے

اے آرزو اب اُن سے شکایت کا ہی کیا حق
اقرارِ وفا آپنے خود جس سے کیا ہے

۲۰۳

جلدی سے تری قاصد تحریر بگڑتی ہے
اس نیم نگاہی سے تھوڑا نہو دل دیکھو
خط لکھنے مین ڈر کیا ڈرہے تو لکھین خط کر
بیچینیون سے دل کی رخ پہ شکن آ کر

تدبیر کی تیزی پر تقدیر بگڑتی ہے
جادو بھری آنکھون مین تاثیر بگڑتی ہے
جب ہاتھ لرزتا ہے تحریر بگڑتی ہے
کھنچتا ہے نیا خاکہ تصویر بگڑتی ہے

اے آرزو غمگین ہے نقش فنا پیری
ہو جاتی ہے جب کہنہ تعمیر بگڑتی ہے

۲۰۴

دل کا لگانا اس دنیا سے پورا دھوکا کھانا ہے
آئے تھے کیون کیا کر کے چلے یہ رونا اور پچھتانا ہے
شاد رہے ناشاد رہے آباد رہے برباد رہے
شادی و غم دو دن کے ہین سب آخر تو جہان سے جانا ہے
دل کی امنگین بڑھتے بڑھتے شعلۂ سرکش بن بیٹھین

دیدۂ تر سے لے کر پانی جلتی آگ بجھاتا ہے

اپنی ہستی کی یہ نمایش ایک بگولہ ہے گویا

خاک ہی سے پیدا بھی ہوے پھر خاک ہی مین ملجاتا ہے

تارِ نفس اتنے بھی نہین ہین جن سے کفن ہی بن جائے

جان اسے مکڑی کا جالا دھوکے کا تانا بانا ہے

حسن ہے اک فانوسی شیشہ اچھی صورت والون کا

ہے وہ بھی ہلکا سا پردہ جس مین تجھے پہچانا ہے

باندھ کمر لے راہ مسافر گھر نہ سمجھ اس منزل کو

اور بھی ہین کچھ آنے والے جن کو یہین ٹھہرانا ہے

سامنے اہلِ دنیا کے کیا کھولین نصیحت کا دفتر

آرزو اپنے نادان دل کو پہلے ہمین سمجھانا ہے

۲۰۵

غم جس کا پیامِ موت ہوا اُس کو بھی تو شکل دکھانا ہے

اے موت نہ کر اتنی جلدی کیا پھر بھی پلٹ کر آنا ہے

دانا تو وہ ہے بیشک جس نے دنیا کو بہت کچھ جانا ہے

نادان ہے مگر یہ تو پوچھو اپنے کو بھی پہچانا ہے

اپنے کو نہ پہچانا جس نے وہ اور کو کیا پہچانے گا

دعویٰ جو کرے نادانی کا سمجھو کہ وہی اک دانا ہے

سمجھا ہے جسے تو نادانی ہے ایک وہی تو دانائی

جس نے بھی اُسے پہچانا ہے انجان ہی بن کر جانا ہے

کچھ ساتھ نہ لے کر آئے تھے ہمراہ نہ کچھ لے جائین گے

جس طرح کا آنا تھا اپنا ویسا ہی یہان سے جانا ہے

کیا عشق مین تھے اپنے ہی لیے سب سرد و گرم زمانے کے

آنکھین ہین کہ تو دو جلتی سو تین دل ہے کہ آتشخانا ہے

اے آرزوؔ مغموم و حزین کس کام کے تاج و تخت نگین

دو گز ہے کفن دو گز ہے زمین بس اور نہین کچھ پانا ہے

۲۰۶

زندگی کیا چیز ہے اک غم کو دل سے راہ ہے
دل مین جب تک غم بسا ہے جو نفس ہے آہ ہے

عشق ہے وابستۂ جان جان لیکن تا بہ کے
ہے تو کچھ مضبوط یہ رشتہ مگر کوتاہ ہے

غم دیا اُس بُت نے جب سے دین و دنیا مل گئے
اب تو لب پر رات دن اللہ ہی اللہ ہے

ذرہ ذرہ آج لَو دینے مین ہے شمع جمال
منظرِ دلکش بھی ہے وہ دل کہ عبرتگاہ ہے

خود سنبھل جاتا ہے رہرو کھا کے ٹھوکر آرزو
رہنمائے راہ بھی وہ ہے جو سنگِ راہ ہے

۲۰۷

دو آنکھین ہین یا اک دل اِن کا بھی یہ نقشہ ہے

وہ رستے ہوئے ساغر شیشہ یہ شکستہ ہے

ہر گام ترقی مین خطرہ ہے تنزل کا
خود لغزشِ نومیدی ٹوٹا ہوا زینہ ہے

کرتا ہے کوئی نالہ گر پڑتے ہین اشک اپنے
کھائی ہین کڑی چوٹین دل دردرسیدہ ہے

یہ سنتے ہی جھلا کر باہر تھا وہ پردہ کے
کچھ ہے بھی پسِ پردہ یا پردہ ہی پردہ ہے

اے غیرتِ رسوائی پہچانے گا کیا کوئی
کل اور ہی صورت تھی آج اور ہی نقشہ ہے

دل کھائے ہوئے چوٹین اور جوش محبّت کا
ہے تندے گلگون چٹکا ہوا شیشہ ہے

سکتے مین اطبّا ہین ساکت ہے دل نالان
اک تیسری حالت ہے زندہ ہے نہ مردہ ہے

متوالی وہ آنکھیں ہیں دو توبہ شکن ساغر
پھر اُس پہ اشارے بھی بس توبہ ہی توبہ ہے

اے آرزو اب سر کو اس جادۂ ہستی سے
ہر سانس میں اُلجھن ہے ہر گام پہ خطرہ ہے

۲۰۸

اشک کے ہر قطرہ سے ہے ممکن جتنا سہارا چاہیئے ہے
دانہ کا دانہ پانی کا پانی اور رکھو کیا چاہیئے ہے
بھولی صورت ناز و نزاکت سب ہے خدا کا دیا موجود
کہتی ہے قتال نظر اک مرنے والا چاہیئے ہے
قیدیوں پر مدت سے کھلے ہیں آنکھوں کے دو دروازے
جسم میں اب اے خونِ حسرت دور اکرنا چاہیئے ہے
ترسی نظریں موقع پا کر ہوتی ہیں گستاخ بہت
چلمن اُٹھ جانے پہ بھی کچھ دن آنکھ کا پردا چاہیئے ہے

چھوٹتے ہی دامانِ قناعت بڑھنے لگا سودائے ہوس
ترک ہوئی جب گوشہ نشینی پھر تو صحرا چاہیئے ہے
شرم کے پتلے چھیڑنے پر بھی کھلتے کھلتے کھلتے ہین
دل ہے ابھی سے بے قابو اور اس کو زمانا چاہیئے ہے
ایذا جس دن حد سے گزری خود راحت ہو جائے گی
درد ابھی تک اُس سے کم ہے جتنا بڑھنا چاہیئے ہے
کم ہو ضرورت سے گر اطلس گرد کی چادر کیا ہے بری
پاؤن فراغت سے پھیلا لین دامن اتنا چاہیئے ہے
خاموشی نے پھیرا رُخ پر غازہ دل کے تغیر کا
راز چھپانے والے اب تو سب پردا چاہیئے ہے

آرزو اُن کی ایسی باتین رہنے نہ دین گی دنیا مین
تجھکو عدم کے کوچ کا آخر سامان کیا کیا چاہیئے ہے

—— • ——

۲۰۹

نہین ہے داغ بدل کون داغ سے میرے
ہے سب گھرون مین اجالا چراغ سے میرے

شراب تند ہے الفت تو دل ہے عالی ظرف
چھلک کے گر نہین سکتی ایاغ سے میرے

چراغ داغ کی ہین گلفشانیان بے فیض
کسی کو لطف ہو کیا خانہ باغ سے میرے

مآل سوز محبت کا ہے سبق آموز
بہت چراغ جلین گے چراغ سے میرے

اب آرزو وہ کہان خاک کے ہین کچھ ذرّے
مراد کیا ہے تمھاری سراغ سے میرے

۲۱۰

بچنے کے طریقے یاد نہین بس دل کا کھونا آتا ہے

مشکل میں نہیں جب بن پڑتی منہ ڈھانک کے رونا آتا ہے

اے گریۂ غم یہ بے اثری بھبتی نہیں تجھ سے دل کی لگی
آنکھوں کا سو جانا آتا ہے دامن کا بھگونا آتا ہے

کس طرح کٹے گی پہاڑ سی شب کیا ہونا ہے آخر یارب
آنکھوں سے نہ جاگا جاتا ہے اب نہ اکیلے سونا آتا ہے

حالت ہیں امید و بیم کی بھی اک لاگ ہے برق و سحاب ایسی
روتا ہوں تو آجاتی ہے ہنسی ہنستا ہوں تو رونا آتا ہے

اے آرزو اُن سے ذرا کہد و گیسو کی دل آویزی دیکھو	
مانند اشک و مژہ جن کو موتی کا پرونا آتا ہے	

۲۱۱

جاتے کسی کے آگے کیوں ہر حالت دل کو لیئے
اپنا دہن تھا ہنس لیے اپنی تھیں آنکھیں رو لیئے

بخشا جو دل کے نام سے آشوب ہستی ہے یہ شئے

جاؤن الٰہی کس طرف پہلومین آفت کو لیے
جو گفتگو کی بات ہے طے ہو گی تصویرون سے کیا
یا ہم کو کہنے دیجیے یا آپ ہی کچھ بولیے
اچھا ہو باطن یا تہو اس ظاہری برتاؤ کا
اب تو زمینِ شوق مین ناقص ہی ڈالنے بولیے

سب ہے رات اپنی آرزو جس طرح چاہے ہو بسر
اب جاگ لین گے تا سحر سونا تھا جتنا سو لیے

۱۱۲

دیتے ہین جان تم پہ مرتے سے کیا ڈرین گے
گر ناز جانستان ہی ہم کیون ہین دل شکستہ
جو یہ سمجھ چکا ہے وہ کیون نہ دل جلائے
ہو جس جگہ میسر ہے قبر پہلی منزل
بڑھتی ہے اور اس سے شانِ نیازمندی

اب تک یہی کیا ہے اب پھر یہی کرین گے
مرنا جھین نہو گا وہ اور پر مرین گے
نالے نہین کرین گے آہین نہین کرین گے
جس راہ چل چکے ہین اس سے نہین پھرین گے
سو بار تم ہٹا دو ہم سر یہین دھرین گے

اُن کو وفا پہ غصہ اور آسرا یہ ہم کو
شبنم کے آنسوؤں پر کیا ہنس رہے ہیں غنچے

ہر شے کی ایک حد ہے کب تک جفا کریں گے
اُن سے تو کوئی پوچھے کب تک ہنسا کریں گے

اب نازؔ اُن سے بیجا یا آرزو بجا ہوں
دل تو چھپنا چکے ہیں جھکو سے کیا ڈریں گے

۲۱۳

آخر نہ چھپا دردِ نہاں ظاہر اثرِ بے خوابی ہے۔
چہرے پہ ہے زردی چھائی ہوئی آنکھوں کا رنگ گلابی ہے
پڑھ لیں گے جو کچھ لکھا ہوگا لکھ دیں گے جو کچھ لکھنا ہوگا
نامہ جب انھیں دینا قاصد یہ کہہ دینا کہ جوابی ہے
وارفتہ مزاجی سے دل کی خالی ہوا آخر پہلو بھی
گھر جب سے چھڑایا الفت نے ہر طرح کی خانہ خرابی ہے
اُس آنکھ سے ربطِ دل شیدا اک کھیل ہے لڑکوں کا گویا
کیا اس کی قسم کیا قول اُس کا یہ دیوانہ وہ شرابی ہے

کیا فائدہ پژمردہ دل کو اشکون کی تری پہونچاے گی
اس پھول کو مرجھایا سمجھو سب دیکھنے کی شادابی ہے

اُف کشمکش درد و ایذا دکھ ہونے لگے دکھ مین پیدا
غم دل کو ہے جس بے خوابی کا غم ہی سے تو یہ بیخوابی ہے

اے ضبط محبت تو نے تو دل پانی کرکے بہا ڈالا
رکتی ہے یہ اب کس کے روکے موجون مین جو اک بیتابی ہے

غم اُس سے ہین میخانہ اُس کا سب جلسہ ندانہ اُس کا
منہ تکتا ہے پیمانہ اُس کا قبضہ مین جس کے گلابی ہے

اے آرزو اپنے مرنے سے بازار محبت سرد ہوا
تھی جس کی نہایت ارزانی اُس جنس کی اب نایابی ہے

٢١٤

مرا شباب ہے اور دورِ چرخ پیر کا ہے
لرز رہا ہون کہ خوف اس کمان سے تیر کا ہے

گداز دل کے لیے کوئی غم شرط نہیں
یہان تو ایک ہی نقشہ جوان و پیر کا ہے

رہا ہوے پہ بھی پابندیٔ فنا نہ گئی
ابھی تو بیڑیوں ہی مین قدم اسیر کا ہے

تمھاری طرح نہین اس کو عادتِ انکار
غریب دل ہے مگر حوصلہ امیر کا ہے

نظامِ کشورِ دل ہے دماغ کا پابند
مطیع شاہ اسی ملک میں وزیر کا ہے

کسی طرف ہو رُخ اُن کا پڑیگا دل ہی مین زخم
بندھا ہوا یہ نشانہ نگہ کے تیر کا ہے

فقط یہ حسنِ سماعت ہے آرزو اُن کا
جو کہتے ہین کہ یہ اندازِ خاص میر کا ہے

۲۱۵

تجھے دے بیٹھے وہ دل تک نہ تھا جو کام کا تیرے
بس اب اک داغ باقی ہے سو وہ بھی نام کا تیرے

نہ جانے جو وہ کیا ہو پہنچے نہ ہو پہنچے جو وہ کیا جانے
لگا ہے دل سے اک پوشیدہ زینہ بام کا تیرے

مجھے دکھلا کے پھینکا اُس نے یہ کہکر مرے دل کو
کہ یہ ٹوٹا ہوا شیشہ رہا کس کام کا تیرے

زبان مین ہے اثر لیکن فغان منھ سے نہ نکلے گی
کہ مین دشمن نہین تیری طرح آرام کا تیرے

پڑھا کعبہ مین بھی کلمہ بتون کا آرزو تو نے
کھٹکا نا کیا اب اے مردِ خدا اسلام کا تیرے

۲۱۶

کیا سوزِ محبت مین جفا ضبط نے کی ہے
در بند ہے اور چار طرف آگ لگی ہے

دل جل گیا [پوچھیے] دمِ گرم دل کی لگی ہے
اس خاک کے تودے مین ابھی آگ دبی ہے

اس شان سے پہونچا ہون کہ پہچاننے والا
منھ دیکھ کے بھی کہہ نہین سکتا یہ وہی ہے

اقرارِ وفا سے کے جفا کا ہوا آغاز
اب کہہ نہین سکتا کہ مرے دم پہ بنی ہے

کیا وہ ہے کہ جس چیز نے برگشتہ بنایا
ہر چند کہ مین بھی ہون ہی تو بھی وہی ہے

یہ دم بخودی عشق کا طبعی ہے مداوا
اک پھانس سی کھٹکی ہے کبھی سانس چلی ہے

جائے گی خموشی نہ ترے سوختہ جان کی
شعلہ کی زبان سے کبھی فریاد سُنی ہے

ٹھنڈی بھی ہوا اس کو شگفتہ نہین کرتی
دل کا ہے کو پہلو مین ہے پژمردہ کلی ہے

اے وحشت پیری نہ جگا وقت سے پہلے
پچھلا ہے پہر نیند ابھی آنکھوں میں بھری ہے
پھونکا ہے زمانہ کو ترے شعلۂ رخ نے
ہر سمت یہی غل ہو کہ اُف آگ لگی ہے

ٹھکوا دیا خون آرزو اُس کی خلشوں نے
اب دل نہ کہو سینے میں ہیرے کی کنی ہے

۲۱۷

دل سے جو گھاؤ سا جگر تک ہے
نگہِ لطف چارہ گر تک ہے
ہیں وہ دو چشم زخم جن کا سرا
ایک دل تک ہے اک جگر تک ہے
نگہ تند اور چارۂ زخم
زہر آلودہ نشتر تک ہے
راز مضمون کا بند خط میں نہاں
راز نامہ کا نامہ بر تک ہے
نگہِ یاس فرشِ راہ اُمید
میرے بستر سے اُس کے در تک ہے
تیر پر تیر کھانے کی ہمت
ہے مگر ہاں اسی نظر تک ہے

قطرۂ خون ہے آرزو ہر اشک
آنکھ سے گھاؤ اک جگر تک ہے

۲۱۸

پھوٹ کر آنکھین سرشکِ غم فزا پیدا ہوے
دو حباب اس بحر کے ٹوٹے تو دو دریا ہوے

شمع گو معشوق بے پروانہ عاشق ہو مگر
واے قسمت دونون جلنے کے لئے پیدا ہوے

لے چلی بے دل کو بھی پہلو سے از خود رفتگی
المدد اے مجمع حسرت کہ ہم تنہا ہوے

باب میخانہ ادھر تھا باب رحمت اُس طرف
ابر اُٹھا دونون دروازے برابر وا ہوے

حسن اُن کا ضو فگن ہے شمع فانوسی کی طرح
جتنے پردون مین چھپے وہ اور بے پردا ہوے

پائی کس گوشہ مین دنیا کے بکھیڑون سے نجات
لاکھ اندیشون نے گھیرا ہم جہان تنہا ہوے

پائی کس گوشہ مین دنیا کے بکھیڑون سے نجات
لاکھ اندیشون نے گھیرا ہم جہان تنہا ہوے

ہے ہوائے بیخودی مین اب بھی دیوانون کی خاک
بگولے جتنے اُٹھے راہی سوِ صحرا ہوے

حُسن جب ہو عارضی پھر عشق کیون ہو پائدار
شمع ہے خاموش کیا پوچھے پتنگے کیا ہوے

آرزو نخل تمنا بو کے پھل پایا نہ کچھ
بعد مدت چند دانے اشک کے پیدا ہوے

۲۱۹

جو اُس نے بیچ سے پردے اُٹھا دیے ہوتے
تو ہم نے جیب کے پرزے اُڑا دیے ہوتے

نہ تم سے ترک تعلق کی بھی ہوئی تکمیل
جگر سے داغ تو اپنے مٹا دیے ہوتے

چراغ میرے دمِ سرد کے بجھائے ہوے
وہ بات کیا تھی تمھین نے جلا دیے ہوتے

نہ کچھ بھی کی ترے دامن نے ہمت افزائی
ابھی تو آنکھون نے دریا بہا دیے ہوتے

بت اور ندامتِ جور آرزو کدھر ہے خیال
ہزار ہوتے جو کعبے تو ڈھا دیے ہوتے

۲۲۰

بقا کی شکل نہ نکلی کسی قرینے سے
وہ بے نشان ہون کہ نام اڑ گیا نگینے سے

خبر مآل کی دیتی ہے ابتدائے شباب
بڑھا ہے دل کی طرف درد اٹھ کے سینے سے

چھٹے جو تم سے زمانہ کو ہم نے یون چھوڑا
کہ چاند تک نہین دیکھا کئی مہینے سے

ہوا ہے حال اثر سوزِ عشق سے نازک
کہ شکلِ آبلہ ملتی ہے آبگینے سے
خوشی کہاں کی بڑھانا تھا اُن کو دردِ فراق
الگ ہوے دمِ رخصت لپٹ کے سینے سے
نگاہ سے لیے جاتے ہین چٹکیاں دل مین
زبان پہ یہ ہے کہ بیٹھے رہو قرینے سے
ہوئی ہین اتنی تمنائین ضبطِ عشق مین خون
کہ بو لہو کی اب آنے لگی پسینے سے

یہ دل کا جوش ڈبوئیگا آرزو اک روز
اُٹھے گا نوحؑ کا طوفان اِسی سفینے سے

۲۲۱

فقر مین شانِ کبریائی ہے
کچھ نہین ہے تو بادشاہی ہے
شوق وہ جس مین سیکڑون خلشین
خار ہین اور برہنہ پائی ہے

تیرے ہی نام کی دوہائی ہے
کیا کوئی جرم آشنائی ہے
نہ اسیری نہ اب رہائی ہے
کچھ نہین بات اک بنائی ہے

داد بیداد دیتا جا ظالم
ناشناسی مین تو نہ تجھے یہ ظلم
بیم و امید کی ہے شان جدا
تم نہ چپ ہو خموش پا کے مجھے

آرزو درد کم نہین ہوتا
کیا کڑی چوٹ دل پہ کھائی ہے

۲۲۲

اس دل سے خدا سمجھے جس نے ہمین مارا ہے
جو دشمنِ جانی ہے وہ جان سے پیارا ہے
کہنے کے نہین قابل جو حال ہمارا ہے
اب بات کا سمجھانا گونگے کا اشارا ہے
راحت ہو کہ بے چینی دونون مین ہے اک لذت
جو تم کو گوارا ہے وہ ہم کو گوارا ہے

جو بچ گئے وہ ڈوبے جو ڈوبے وہ پار اُترے
ساحل پہ یہاں دھارا دھارے پہ کنارا ہے

چونک اُٹھی ہے اک دُنیا چیخ اُٹھا ہے اک عالم
گھبرا کے اکیلے میں جب اُس کو پکارا ہے

نظروں میں لگاوٹ بھی چتون میں رکاوٹ بھی
قاتل کی دورنگی نے جی سے مجھے مارا ہے

اُترا ہے جو اوروں پر غصّہ مری جانب کا
بیٹھا ہے وہ دل تھامے جس جس نے اُبھارا ہے

جانکاہی فرقت سے ہونی ہے نجات اک دن
مرنا جسے کہتے ہیں جینے کا سہارا ہے

نوح ایسے بھی گو ڈوبے اس بحر محبت میں
لیکن نہ پتہ پایا کس سمت کنارا ہے

منظور نہیں بدلہ ہاں داد کے خواہاں ہیں

نام اُس کا نہ ہم لین گے جس نے ہمین مارا ہے

ہر تار سے وابستہ پاتا ہون رگِ جان کو

کس طرح ستمگر نے گیسو کو سنوارا ہے

دن کیون نہ کٹین پھر کر صحرائے محبت مین

چکر ہے مقدر کو گردش مین ستارا ہے

چکھے ہے جو سرد و گرم اسے آرزوِ الفت کا
جم جانے مین وہ یخ ہے اُڑ جانے مین پارا ہے

۲۲۳

اک منتظرِ وعدہ جا کر کہین کیا بیٹھے

گھبرایا جو دل گھر مین دروازے پر آ بیٹھے

آنکھون مین سو پھرتے تھے تو دل مین وہ آ بیٹھے

آخر بتِ زاہد کش کعبہ ہی مین جا بیٹھے

پابندِ رضا ہین ہم دین جان تو کیونکر دین

تلوار اُنھین دیکر خود ہاتھ کٹا بیٹھے

انگڑائیان آتی ہین اے شوقِ ہم آغوشی
لے تیرے تصور سے ہم ہاتھ اُٹھا بیٹھے

اک اپنے فغان کش سے اللہ یہ بیدردی
سب کہتے رہے ہان ہان ناوک وہ لگا بیٹھے

گو بزم محبت کے آداب سے ہو واقف
بےچین ہو دل جس کا وہ چین سے کیا بیٹھے

اے آرزو اب ہم ہین اور ہجر کی تنہائی
اک دل تھا تو پہلو سے اُس کو بھی گنوا بیٹھے

۲۲۴

غمِ ہجر کیون نہ ہو جانگزا کہ وہ دلربا مری جان ہے
مین جہان سے منھ کو پھرائے ہون کہ ہی جان اگر تو جہان ہے

یہ اثر ہے تندنگاہ کا کہ فگار ہوتے ہین دل جگر

مرے سادہ لوح کے ہاتھ میں کوئی تیر ہے نہ کمان ہے

میں نظر جو کرتا ہوں دل پہ اب تو ہجوم غم سے ہی جائے ہو

کبھی جس میں بستی تھیں حسرتیں وہی تو اجڑا مکان ہے

ہوا دل سے بندہ جو حسن کا اُسے لطف ہر دو جہان ملا

ترے چشم و ابرو خم شدہ تہِ کعبہ مے کی دوکان ہے

مرے تیر سے اب وہ ہے واسطہ تن و جان میں جو کہ ہے واسطہ

مرے منہ میں تیری زبان ہے مرا قول تیرا بیان ہے

یہی شور نالہ سے ہے عیاں کہ کچھ اشارے بھی گئے نہاں

یہ جو پیشِ قافلہ ہے جرس یہیں ماندگان کا نشان ہے

جو وہ طفلِ شوخ ہے بیوفا تو اٹھا نہ رنج فراق کا
تجھے آرزو یہ ہوا ہے کیا کہیں دل لگا کہ جوان ہے

۲۲۵

چارہ گروں کی کوشش راحت چرخ کی دل آزاری ہے

پھاہے کا اپنے زخم جگر کے مرہم تک زنگاری ہے
حال کہا جائے اب کس سے دل تو بھرا ہی آتا ہے
پوچھ رہے ہین وہ ہنس ہنس کے رقت مجھپر طاری ہے
جب سے خوشی کھو دی غم دل نے اب یہی باتین آتی ہین
نالہ و شیون شب کو اگر ہے دن کو آہ و زاری ہے
پانی کو بھی آگ بنایا سوز نہان کی گرمی نے
اشک کی اپنے بوند نہ سمجھو دہکی ہوئی چنگاری ہے
وہ مرے گھر مین آئے ہوے ہین پوچھ رہے ہین حالت دل بھی
دیکھتا ہون مین جو یہ الٰہی خواب ہے یا بیداری ہے
آنکھ مین ہے اندھیر زمانہ یاد جو ہے اُن زلفون کی
رات ہی رات ہے اب قسمت مین رات بھی وہ جو بھاری ہے
جتنے سجنہ کار جنون ہین ایک طریقہ رکھتے ہین
قیس سے رسم چاک گریبان ابتک ہم مین جاری ہے

دل کا دھڑکنا چہرے کی زردی گو نہین خالی علت سے
مرتے ہین لیکن کہہ نہین سکتے ہم کو کیا بیماری ہے

آرزو اس کو تم کیا جانو گزری ہو جس پر اُس سے پوچھو
رحم سے خالی ہے دل اُسکا صورت جس کی پیاری ہے

۲۲۶

اپنے کیے کا رونا کیا ہے
رونے سے آخر ہونا کیا ہے

سنگِ در اُس کا خاک گلی کی
تکیہ کیا ہے بچھونا کیا ہے

پھل نہین اچھا عشق کا اے دل
ایسے شجر کا بونا کیا ہے

ہوتے ہی اُلفت آبنی جی پر
آگے دیکھیے ہوتا کیا ہے

جاگ کے کاٹین ہجر کی راتین
آنکھ لگی تو سونا کیا ہے

عشق سے کیون باز آئین ناصح
دل تو گیا اب کھونا کیا ہے

زلف کا رشتہ خود ہی دل آویز
اس موتی کا پرونا کیا ہے

رو کے بہاتا اشکون کا پانی
داغِ ندامت دھونا کیا ہے

آرزو اپنے کیے کو بھگتو
اپنا پچھتائے سے ہونا کیا ہے

۲۲۷

کیا لگا ہوں پہ سحر کر آئے
دل میں کس راہ سے اتر آئے

وہ یہ کہتے ہوئے نظر آئے
کیوں جی پھر تم ہمارے گھر آئے

یاد جب آئی دل کی زندہ دلی
جا کے تربت کو پیار کر آئے

اپنی بیچارگی پہ دل گھٹا
تیر بیٹھے ہوئے ابھر آئے

قبر کو دیکھے نہ حسرت سے
آئے آپ اور جل کر آئے

سب تو خیر ان کی چال ہم سے بھی
دل امنڈ آیا اشک بھر آئے

ہم سے دل کیا چھٹا جہان گیا
جیسے مردے کو دفن کر آئے

جب حقیقت سے دل ہوا آگاہ
جس کو دیکھا حسین نظر آئے

دور کرنے مری غلط فہمی
کیسے کیسے پیامبر آئے

تھا جدا سب میں ایک شکوۂ غم
جتنے نالے زبان پر آئے

۲۲۷

ہم سے وارفتۂ آرزو ہر جا
گئے بے ہوش بے خبر آئے

۲۲۸

مجھ کو سیری روش مٹاتی ہے
پاؤں کی خاک سر پہ آتی ہے

اس طرف ضبط اُس طرف تری یاد
سانس ہچکی میں اُلٹی جاتی ہے

منتظر جو کسی کی رہتی ہوں
کب اُن آنکھوں میں نیند آتی ہے

ہے محبت بھی طرفہ چنگاری
آگ دونوں طرف لگاتی ہے

چارہ گر سے چھپا رہا ہوں درد
بات کی کد میں جان جاتی ہے

آرزو وہ مزاج پوچھتے ہیں
کہہ نہ دینا کہ جان جاتی ہے

۲۲۹

تازے وہ پھر سے ہو گئے غم کتنے فلک نے جو دیے
جس نے کہی بات کی ہم بھی لپٹا کے رو دیے

طالبِ دل ہی تم تو تھے پیش جگر بھی کر دیا
اب کہو چاہتے ہو کیا ایک کے بدلے دو دیے

ہین نہ وہ ٹھنڈی سانسین اب اور نہ جلی ہوئی فغان
ضبط نے سرد و گرم عشق ایک ہی مین سمو دیے

کون سی ہے وہ سرزمین مزرعۂ یاس جو نہین
بیٹھ گئے جہان کہین دانۂ اشک بو دیے

آپ کو اب ہے سوچ کیا تھا یہی میرا خونبہا
آنسوؤن نے لہو کے داغ تیغ ادا سے دھو دیے

دل جو بھر آیا ہجر مین پی گئے آنسوؤن کو ہم
نکلے جہان سے جو گُہر پھر اُسی جا ڈبو دیے

میرے مسیح دہر کی چارہ گری ستم کی ہے
دیکھا جو ایک آبلہ نیشتر کئی چبھو دیے

ہوش و حواس و عقل و صبر تاب و توان جان و دل

ہم کو خدا سے جو ملے ہم نے وہ آپ کو دیے

جن کی صفا و آب و تاب مخزنِ بحرِ حُسن ہے
سلک بیان مین آرزو آج وہ دُر پرو دیے

۲۳۰

انتظارِ مآلِ اُلفت ہے
ورنہ جینے کی کس کو حسرت ہے

دل کو اب درد سے بھی راحت ہے
ہے جو کچھ آپ کی عنایت ہے

کہہ کے یہ اور کچھ کہا نہ گیا
کہ ہمین آپ سے شکایت ہے

جوشِ وحشت ہو قید کا پابند
یہ بھی اک وقت کی نزاکت ہے

تیر کھایا تھا عرض مطلب پر
زخم دل مین بجاے حسرت ہے

خود وہ تڑپا ہُین خود کرین افسوس
قابل افسوس کے یہ حالت ہے

دل کی بے چینیون پہ چین نثار
کچھ عجب چیز دردِ اُلفت ہے

ہم کسی کے ستائے تو ہین ضرور
تم نہین ہو اگر تو قسمت ہے

وعدہ دیدار دہ پردہ نشین
شرمگین آنکھ مین مروّت ہے

شاہراہِ وفا میں سنگِ نشان ۔ بے نشانوں کا سنگِ تربت ہے

آرزو کون کس کو آتا ہے یاد
جھوٹی باتوں سے ہم کو نفرت ہے

۲۳۱

دیکھیں محشر میں اُن سے کیا ٹھہرے ۔ تھے وہی بت وہی خدا ٹھہرے

ٹھہرے اُس در پہ یوں تو کیا ٹھہرے ۔ بن کے زنجیرِ بے صدا ٹھہرے

سانس ٹھہرے تو دم ذرا ٹھہرے ۔ تیز آندھی میں شمع کیا ٹھہرے

زندگانی ہے اک نفس کا شمار ۔ بے ہوا یہ چراغ کیا ٹھہرے

جس کو تم لا دوا بتاتے تھے ۔ تمھیں اُس درد کی دوا ٹھہرے

عشق کا جرم سہل کام نہیں ۔ کہ ہر اک لائقِ سزا ٹھہرے

بیم و امید کی کشاکش میں ۔ اک دوراہے پہ جیسے آ ٹھہرے

رہ گئی آنکھیں جھلک دیکھ سکیں ۔ بہتے زخموں پہ کیا دوا ٹھہرے

وہی خونی خدا کرے اک دن ۔ کشتۂ حسرت کا خوں بہا ٹھہرے

زندگانی ہوس کی آندھی ہے | دیکھیں کس رخ پہ یہ ہوا ٹھہرے

آرزو وہ ہمیں نصیب کہاں
کان تک جا کے جو صدا ٹھہرے

۲۴۳

ہے بے خودی میں عقل گم بگڑا ہوا برتاؤ ہے
کیا جی کا عقل بیڑا لگے بے ناخدا کی ناؤ ہے
زلفِ مسلسل اور دل زنجیر اور دیوانگی
بنتا بنا تا کچھ نہیں کہ پیچ ہے کہ تاؤ ہے
دشمن سے بھی جھکنا یہاں عاشق سے بھی رکنا وہاں
اک ہے ہمارا میل جول اک آپ کا برتاؤ ہے
کیونکر نہ دسے بوسے وفا قاتل کے کوچہ کی ہوا
اک بے گنہ کے خون کا چاروں طرف چھڑکاؤ ہے
ٹھنڈی ہوا میں آہ کی کیسا پسینا آرزو

رستا ہے وہ چاروں طرف سینے میں جو اک گھاؤ ہے

۲۳۳

اک تم وہ نہیں محفلِ رندانہ وہی ہے
شیشہ وہی بادہ وہی پیمانہ وہی ہے

کہنے کو زبانیں نئی سننے کو نئے کان
قصہ وہی جھگڑا وہی افسانہ وہی ہے

یہ وقت کی ہے بات کہ بدلی نئی ہے شان
صحرا وہی وحشت وہی دیوانہ وہی ہے

گر آنکھ کا پردا نہ ہوا اور فہم کا دھوکا
محفل وہی شعلہ وہی پروانہ وہی ہے

رسمیں ہیں جدا نام جدا لگا تیں ورنہ
مسجد وہی مندر وہی بت خانہ وہی ہے

دھوکا جو نگاہوں کو دے پردۂ نیرنگ
گلشن وہی بستی وہی ویرانہ وہی ہے

ہیں رنگ جدا کیف نئے دور نرالے
ساقی وہی محفل وہی پیمانہ وہی ہے

کچھ یاد دلاتا تو ہے اک بھولا ہوا خواب
جلوت وہی خلوت وہی جانانہ وہی ہے

ہاں آرزو اس رمزِ حقیقت کو سمجھ لو
ہم تم وہی ملت وہی یارانہ وہی ہے

۲۳۴

حریفوں کو نہ کچھ احباب سے کم یاد آئیں گے
نہ ہونے پر زمانے میں بہت ہم یاد آئیں گے

کہاں کی قید زنجیریں کسی جا ہم کہیں ہوں گے
جنوں میں جب ترے گیسوئے برہم یاد آئیں گے

وفا کا نقش ہے وہ نقش جو مٹ کر ابھرتا ہے
جنھیں دل سے بھلاؤ گے وہ پیہم یاد آئیں گے

اثر پہلو نشینی کا ہے فرقت میں زمانے کی
ملے تھے آخر آخر جو مقدم یاد آئیں گے

زمانہ اپنا اپنا اپنا اپنا وقت ہے یہ تو
نہ جب تم یاد آؤ گے تو پھر ہم یاد آئیں گے

بڑی نعمت ہیں سوز جانگداز و درد بیدرماں
جب اس دنیا میں پہنچیں گے یہ عالم یاد آئیں گے

نتیجہ ہر خوشی کا اس چمن مین آرزوِ غم ہے
ہین گل کی ہنسی پر اشکِ شبنم یاد آئین گے

۱۳۵

بچین کیا رہ کے دُنیا مین تعلق ہاے پنہان سے
کہ سو سو خار ہین اُلجھے ہوے ہر تارِ دامان سے
پہونچنا شوق دل کی انتہا تک غیر ممکن ہے
یہان وسعت مین ہر ذرّہ زیادہ ہے بیابان سے
لباس عاشق و معشوق دونون چاک ہین لیکن
ادھر ہے ابتدا دامن سے اس جانب گریبان سے
سپردِ دشمنِ آرام ہو کر خواہشین دل کی
ہزارون درد پیدا ہو گئے اک فکرِ درمان سے
نہین اُٹھنے کی طاقت اور ارادہ کوے جانان کا
مری وحشت گذرنا چاہتی ہے حدِ امکان سے

سراپا رازمین ہون اور زبانِ شمع بے قابو
نباہ اک آن بھی دشوار ہے شب بھر کے مہمان سے

نفس کے سلسلے تک روح اسیر جسم خاکی ہے
کٹی زنجیر اور قیدی ہوا آزاد زندان سے

لگا دے جا کے سرمہ چشم یارانِ طریقت مین
سیاہی مانگ کر صبح وطن شام غریبان سے

کہان ہے عقل کس جا ہوش ہین سمجھے ہو کیا آخر
خدا ترسی کی اُمید آرزو اک نا مسلمان سے

۲۳۶

جانتے تھے دے کے دل قابو مین اُن کو لائین گے
یہ نہ تھا معلوم اس سودے مین خود بک جائین گے

اپنی اپنی جا ہے اک طوفان جوشِ حسن و عشق
مل گئے جس روز یہ دونون قیامت ڈھائین گے

جان سے بڑھکر ہمین ہے بات کا اپنی خیال
داغ حسرت آپ کو دل چیر کر دکھلائین گے

آہ اس کی کیا خبر تھی اپنے اندھے شوق کو
خود کہین گے حالتِ دل کہہ کے پھر پچھتائین گے

روکتا ہے گر حجابِ بزم اور پردہ نشین
زندگی ہے تو اکیلے بھی کبھی مل جائین گے

ہو جو اتنا بھی سہارا مرثین اہلِ وفا
کوئی دو آنسو بہائے گا اگر یاد آئین گے

ایک تھے دونون ہے بس تمھارا زخلوت آرزو
اب کہون گا تو یہ ڈر ہے وہ خفا ہو جائین گے

۲۳۷

ہین سو خلشین عشق کے انجام سے پہلے
تکلیف ہی پیش آگئی آرام سے پہلے

دل شوق سے معمور ہے آنے دو جوانی
اک شمع جلا دی گئی ہے شام سے پہلے

ساقی مری چھوٹی ہوئی عادت پہ نظر کر
لا ہاتھ سہارے کے لیے جام سے پہلے

دن عیش کے بن جاتی ہیں تکلیف کی راتیں
واقف ہی نہ تھے گردشِ ایام سے پہلے

پر بستہ کیا طاقتِ پرواز نے لاکر
پھندے میں مقدر کے پھنسے دام سے پہلے

پھر چاک گریبان پہ مرے شوق سے ہنسیے
دامن تو بچا لیجیے الزام سے پہلے

یہ رسم درہِ مشربِ رندانہ ہے ساقی
اک بوسۂ لب چاہیئے ہر جام سے پہلے

ہیبت کسے دکھلاتی ہے آمد شبِ غم کی

آنکھون مین اندھیرا ہے یہان شام سے پہلے

اے آرزو اچھا نہین الفت کا نتیجہ
تم پوچھ نہ دیکھو کسی ناکام سے پہلے

۲۳۸

بیٹھا ہون اپنے قتل کا سامان کیے ہوے
یعنی خیال ناوکِ مژگان کیے ہوے

بے موت مین مرون تمھین آتی نہین حیا
کیا چپ کھڑے ہو تیغ کو عریان کیے ہوے

تکتا ہون سوئے پردۂ در بن کے اجنبی
شوقِ نظارہ آنکھون مین پنہان کیے ہوے

جاناپے عیادتِ بیمار نا اُمید
اور بال کھولے حال پریشان کیے ہوے

وحشت ہم اپنی بعد فنا چھوڑ جائین گے

۲۴۰

اب تم پھروگے چاک گریبان کیے ہوے

یون پھر رہے ہین جیسے کوئی بات ہی نہین

آلودہ میرے خون سے دامان کیے ہوے

جوش جنون مین وہ ترے وحشی کا جھینپنا

بند اپنے ہاتھ سے در زندان کیے ہوے

قابو کا اپنے جان کے ہون شاد آرزو

دل مین خیال یار کو مہمان کیے ہوے

۲۳۹

جی مین تھا طول مدعا کہئے
نہ کہا جائے کچھ تو کیا کہئے

یون سمجھ لیجیے کہ خود ہین بُرے
سارے عالم کو کیون بُرا کہئے

حق الفت کو کیجیے پیش نگاہ
مدعی بن کے مدعا کہئے

ایک مطلب ہین بات کا نہ فرق
بت اُسے کہئے یا خدا کہئے

مرض غم کا جب یہی ہے علاج
زہر کیون کہیے پھر دوا کہئے

ہے خموشی مری اسی قابل | جتنا چاہے برا بھلا کہیے

آرزو وقت پرسش احوال
کچھ بھی نکلا نہ منھ سے کیا کہیے

۲۴۰

کوچۂ تاریک گیسو سے گزر دشوار ہے
مشتاین آنکھون کی گلی مین راہ ناہموار ہے

زندگی مین دل کے ہاتھون عاقبت دشوار ہے
ہان یہی آزار کش بنیاد صد آزار ہے

اختیار و جبر مین حق نے جسے دیدے نصیب
ورنہ او مغرور مین غافل نہ تو ہشیار ہے

رکھتا ہے پوشیدہ اک شئے حقیقت سے مجاز
کون سا ہے سبحہ اسے زاہد جو بے زنار ہے

کیا کرے ہمت بھڑک اٹھنے کی کم ہے روغن چراغ
تم پہ مرنے کو تھوڑی زندگی درکار ہے

کار پرداز قضا ہے ایک تیر بے کمان
ہاے وہ نیچی نظر جو ہر جگر کے پار ہے

مصر تک کنعان سے پہونچا حسن یوسف کا چراغ
جنس اچھی ہو تو ہر جا گرمی بازار ہے

زخم کو ناسور کر رکھے مگر مٹنے نہ دے
دل کہ اس سرمایۂ غم کا امانت دار ہے

سانس ہے بنیاد طوفان کشتی دل کے لیے
یاد رکھ یہ بادبان ٹوٹا کہ بیڑا پار ہے

۲۴۲

دے نگاہون کو نہ گردش ہو جو چشم امتیاز
ایک اک پتی چمن کی روح صد گلزار ہے

زیست مین شانِ سزاے موت ہے قمری کی طرح
ابتداے عشق سے پھانسی گلے کا ہار ہے

بے بصیرت کے لیے تاریک ہے روشن مکان
ٹکرین بیلائین گی یہ ورنہ نہین دیوار ہے

زندگی مین وعدۂ فردا سے کیا تسکین ہو
غم تو ہے جانکاہ اور عمرِ خضر درکار ہے

پھول سے دل کو نہ دے خار محبت کی خلش
کیون یہ دیوانی جوانی در پئے آزار ہے

آرزو غمخوارئ دشمن یہ دھوکا کیون نہ ہو
قہر ہے وہ ابر تر دامن کر آتشبار ہے

۲۴۱

نہ پوچھو وسعتِ دل کو کہ مٹ جانے پہ بھی کیا ہے
جو ذرہ کم سے کم ہے وہ بھی عالم خیز صحرا ہے

کرشمہ ہے ادا ہے ناز ہے شوخی ہے غمزا ہے
خدا معلوم اور ان حسن کے پتلون مین کیا کیا ہے

قیامت کا لیا ہے انتظار اب شکل دکھلا دو

نہین تو یہ گمان ہوگا کہ بس پردہ ہی پڑا ہے

کچھ ایسی آبنی ہے دل پر الفت مین کہ اے ہمدم

نہ اب رونا ہی آتا ہے نہ اب ہنسنا ہی آتا ہے

وہی بے چینیان رہتی ہین دوری ہو کہ نزدیکی

نہین معلوم اس بیتاب دل کا مدعا کیا ہے

جدھر چاہے اُدھر لیجائے یہ وارفتگی ہم کو

نہ کوئی کہنے والا ہے نہ کوئی سننے والا ہے

نہین معلوم کیون دیکھا تھا ظالم نے نظر بھر کے

دل اب کاہے کو ہے پہلو مین کانٹا سا کھٹکتا ہے

کہان لے آئی ہے یارب یہ از خود رفتگی مجھ کو

کہ بستی ہے نہ ویرانہ نہ آبادی نہ صحرا ہے

تمھارا پوچھنا کہنا مرا بیکار ہین دونون

جو بر آئے کوئی وہ بھی تمنا مین تمنا ہے

صدا طوطی کی کیا اے آرزو نقار خانے مین
بھلا ہنگامۂ محشر مین اپنی کون سنتا ہے

۲۴۴

طلسمات جہان مین ہر قدم منزل کا دھوکا ہے
کہ اس جا ذرہ ذرہ پر مہِ کامل کا دھوکا ہے

نہ ہو یہ منزلِ مقصود جب پیر دل کا دھوکا ہے
اب اس ٹھہری ہوئی کشتی پہ خود ساحل کا دھوکا ہے

یہی اک جا نظر آتی ہے دخل غیر سے خالی
وہ اک خلوت کدہ تیرا ہے جس پر دل کا دھوکا ہے

قضا کا نام جیتنا چاہے ہو جائے زمانے مین
مگر مجھ کو تو اس پر بھی اُسی قاتل کا دھوکا ہے

کہان ممکن ہے بے ڈوبے عبور اس بحر فانی سے
کہ ہر موجِ تباہی خیز پر ساحل کا دھوکا ہے

سہارا پیش رو کے نقش پا کا ڈھونڈھ اے سالک

یہ وہ رستہ ہے جس میں ہر قدم منزل کا دھوکا ہے

طلب جاتی رہی ساغر بنا جب دل سے آئینہ

وہ اب دل ہی کہاں ہے جس پہ ہمکو دل کا دھوکا ہے

نہ ہوتیں بند اگر آنکھیں نہ کُھلتے دیدۂ باطن

بڑا ہشیار ہے جس پر تمھیں غافل کا دھوکا ہے

نشست عارضی سے ہے سرائے دہر کی رونق

یہ ہے اک کارواں جس پہ بھری محفل کا دھوکا ہے

کبھی جلوت کدہ اُن کا کبھی حسرت کدہ اپنا

خدا جانے یہ ہے کیا چیز جس پر دل کا دھوکا ہے

خدا سے مانگ وہ دل آرزو تعمیر میں جس کی

فریب باد و آتش ہے نہ آب و گل کا دھوکا ہے

۲۴۳

بھری جوانی اُمنگ کے دن لڑین نگاہین کہ فیصلہ ہے

بخیر انجام ہو الٰہی یہ دل کا پہلا معاملہ ہے

ادا سے بل تیوریون پہ لانا بجا بجا کہہ کے مسکرانا

شکایت اس طرح سُن رہے ہین کہ جیسے اُنکو بھی کچھ گلہ ہے

نہ دے ٹھوکے نگاہ ناز اب سنبھل سکین گے نہ رند مشرب

پیالہ ہے اس طرح لبالب کہ ہاتھ کا نپا تو فیصلہ ہے

جو شمع باقی دم سحر ہے یہ شاہد حال ہمد گر ہے

پھری ہوئی آنکھ کی نظر ہے بجھے ہوئے دل کا ولولہ ہے

دل اب تو عبرت سرا ہے گویا نہ ولولے ہین نہ ناز بیجا

پڑا ہے ایسا اُداس صحرا کہ راہزن ہے نہ قافلہ ہے

گذر گیا جوش کا زمانہ کہان وہ جلنا کہان جلانا

ہون اک بجھی شمع کا فسانہ کہ دل ہی اب بیچ ولولہ ہے

مدارجِ عشق پر ہے حیرت مجاز ہو منزلِ حقیقت
زیادہ ہے نہ فلک سے رفعت مکان بظاہر دو منزلہ ہے

دبائے رکھا ہمیشہ جسکو وہ شعلہ پانی بنا ہے دیکھو
بہا ہے آنکھون سے پھوٹ کر جو اُسی جلے دل کا آبلہ ہے

یہ آرزو شیب کا زمانہ اور اُسپہ اشعار عاشقانہ
بجھی ہوئی آگ کی ہے تیزی پسے ہوئے دل کا ولولہ ہے

۱۴۴

بڑا ہے فرق یہی جس سے جان عاری ہے
کہ جو خطا ہے تمھاری نہین ہماری ہے

مین جانتا ہون کہ بیجا ہے سے فائدہ نہین کچھ
یہ زخمِ ناخنِ وحشت کی پردہ داری ہے

رضائے دوست کا پابند ہل نہین سکتا
وہ پاؤن مین ہے جو زنجیر سب سے بھاری ہے

اجل تو آنے ہی والی ہے اس کا خوف ہی کیا
مگر یہ روز کے دھڑکون سے جان عاری ہے

بڑھا دی موت نے کتنی ترے شہید کی عمر
جو خون بند نہ ہو گا کبھی وہ جاری ہے

یہ کہ رہا ہے عدم مین خیال ہستی کا
کمر کو باندھ کہ قسمت مین بے دیاری ہے

رہے گی قاتلِ عالم نگاہ کج ہو کہ راست
یہی چھُری یہی برچھی یہی کٹاری ہے

فراخ دامنی چشم تر ذرا کھول آنکھ
ارے یہ پردہ دری ہے کہ پردہ داری ہے

چھپا سکا نہ زمانہ ترے شہید کا خون
ہٹا دی لاش تو ہر چشم ترسے جاری ہے

کیا سوال ادا سے ادھر پھری کہ ادھر چھری نگاہ کی لے آرزو دو دھاری ہے

۱۴۵

کچھ نہیں غم جو نظر پھیر لی بینائی نے — رکھ لیا ہے تجھے آنکھوں میں تماشائی نے

بھیس پر بھیس وہ بدلے مرے ہرجائی نے — ناشناسی کا کیا عذر شناسائی نے

چار تاروں کی گریباں کے حقیقت کیا تھی — ہاتھ روکا ہے فقط غیرت رسوائی نے

جانیں کیا حسن طلب رند تو ہیں سادہ مزاج — حال اعضا شکنی کہہ دیا انگڑائی نے

شکر ہے وحشت جنوں اب نہ رہا نامحدود — کچھ حدیں ڈال تو دیں بادیہ پیمائی نے

ہچکیاں نزع کی یہ تھیں کہ قضا کے جھٹکے — تیرہ کس زور میں توڑی ترے سودائی نے

وصل کے بعد ضروری تھا فراق تن و روح — ساتھ دو دلوں کا چھڑایا اسی یکجائی نے

پردہ اٹھوایا ہے چہرہ سے خدا خیر کرے — اپنی آنکھوں کی قسم دیکھے تماشائی نے

مے سے نفرت تو فقط کی تھی زباں نے ظاہر — توبہ بلوا دی ہر اک جوڑ سے انگڑائی نے

سخت ہر سنگ سے ماتھے کی لکیریں نکلیں — لکھا قسمت کا مٹایا نہ جبیں سائی نے

شمع سوزاں کا فسانہ ہے مری ناکامی — مفت کٹوا دی زباں حسرت گویائی نے

ضبط غم تا بہ لب آنے نہیں دیتا فریاد — کیا گلا گھونٹا ہے اس مونس تنہائی نے

بادۂ ہوش لنڈھا ساغر تمکین ٹوٹا ہو — ہاتھ مارا ہے یہ کس مست کی انگڑائی نے

پردہ اُٹھا تھا کہ نظروں میں اندھیرا چھایا | کیا دغا وقت پہ دی آنکھوں کی بینائی نے

آرزو دیکھ لئے لیل و نہار الفت کے
صبح محشر کی خبر لی شب تنہائی نے

۱۴۶

کڑی چوٹیں محبت کی سہی جاتی ہیں مشکل سے
فغاں بنکر ہوئی جھنکار پیدا شیشۂ دل سے

یہ چپکے چپکے آخر طے ہوا کیا غمزدہ دل سے
نگاہیں مل کے رخصت ہو رہی ہیں اہل محفل سے

یہ خونِ بیگنہ کس کا پسینا بن کے یہ نکلا
ٹپکتی ہے خجالت پیر خجالت روئے قاتل سے

مجھ ایسا ناتواں رفتار کیا دیکھے زمانہ کی
یہ حال اب ہے کہ گردش آنکھ کو ہوتی ہے مشکل سے

ہوئی بند آنکھ مجنوں کی کہے یہ کون لیلی سے

کہ وقت اب آگیا باہر نکل آنے کا محمل سے

خبر دنیا میں پھیلانے کو میرے خون ناحق کی
غبار اٹھا ہے بن کر سرخ آندھی کوئے قاتل سے

رہائی سہل ہے اے زور وحشت زندگی مشکل
رگڑتی ہیں جو کڑیاں شعلے اٹھتے ہیں سلاسل سے

ہوئی جب بیدلی پھر سیر گاہ دہر میں کیا ہے
اٹھا ہے کوئی مثل شمع رونق لیکے محفل سے

نمائش اپنی ہستی کی تماشا جزر و مد کا ہے
وہ موجہ ہوں جو ٹکرا کر پلٹ جاتا ہے ساحل سے

فغاں بیوقت نالے بیمحل ہیں آرزو اب تو
کہ دل کا بھید ظاہر ہو چکا بیتابئ دل سے

۱۴۷
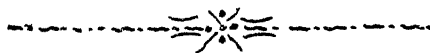
دیکھے دکھ ہوتے ہو منکر آہ کی تاثیر کے

کھنچ گئی ہے اب کماں آگے نہ آنا تیر کے

ٹوٹتے ہیں فیصلہ تک دیکھئے کتنے گواہ

چھوٹتے جاتے ہیں دھبے خون دامنگیر کے

اور ہے بچپن، جوانی اور، پیری ہے کچھ اور

تین نقشے تین پردوں میں ہیں اک تصویر کے

درد کیسا جان بھی اب تن میں رہنے کی نہیں

دیکھئے کیا کیا نکل آتا ہے ساتھ اک تیر کے

قید کی حد میں بڑھا لی ہم نے آزادی کی حد

یوں دیا جھٹکا کہ حلقے کھنچ گئے زنجیر کے

دیکھتا ہوں زندگی کے شوق میں سامان موت

چند سانسوں کی ہوا لائی ہے منہ پر تیر کے

نقش ہستی۔ کچھ لکیریں۔ جن کا رنگ اڑتا ہوا
دیکھتے ہی دیکھتے پر لگ گئے تصویر کے

ہر قدم اک کشمکش ہے توڑنا پڑتی ہے قید
جا بجا صحرا میں پھٹتے ہیں سرے زنجیر کے

کانپنے سے ہاتھ بڑھتے جاتے ہیں زخموں کے منہ
ہم سلامت کھینچنے والے جگر سے تیر کے

چلتی پھرتی چھاؤں سمجھو صفحۂ ہستی کے نقش
ایک پرچھائیں سی ہے پردہ میں ہر تصویر کے

آرزو جوشِ طبیعت کو ہے آزادی پسند۔
ہم نہ غالب کے مقلد ہیں نہ پیرو میر کے

۱۴۸

پہلے آنسو کیجئے پاک اپنی چشم زار سے
پھر پسینا پونچھئے گا چہرۂ بیمار سے

ہے نگاہِ ناز کا قہر و غضب خواہانِ جاں

شانِ خون ریزی ٹپکتی ہے تری تلوار سے

آنکھ کا پردہ لگا تو جلوہ گاہِ ناز میں

ترسی نظریں سیر ہو سکتی نہیں دیدار سے

غنچے کھلتے ہیں تو ٹانکے ٹوٹتے ہیں بار بار

آتی ہے بوسے گریباں زخمِ دامندار سے

جان چھوڑ اب اے گرانجانی خدا کے واسطے

جیتے جی مردہ کی بو آنے لگی بیمار سے

ایک دل اور ہر طرف سے شعلہ رویوں کا ہجوم

اَب جلا جاتا ہے یوسف گرمیٔ بازار سے

ہو گئے خوگر جفا کے ناز برداری سے وہ

اَب زمانہ پس رہا ہے اپنی ہی رفتار سے

بے تعلق ہو کے دل سے آرزوِ دنیا ہے ہیچ گل سے جب مطلب نہیں پھر کام کیا گلزار سے

۱۴۹

ہے جتانا نگہِ ناز کی تاثیر مجھے
فرصت اک آہ کی دے اے خلشِ تیر مجھے

پردہ خود پردہ درِ راز ہے بس اے ضبط
پھونکے دیتی ہے مرے سوز کی تاثیر مجھے

روک لے زورِ جنوں طاقتِ زنجیر نہیں
باندھ رکھ پہلے سے او زلفِ گرہ گیر مجھے

وقت کم کام بہت چند نفس طول کلام
ہچکیاں دیتی نہیں فرصتِ تقریر مجھے

سانس اکھڑی تو ہوئی قیدِ حیات اور بھی تنگ
ہلنے دیتی نہیں ٹوٹی ہوئی زنجیر مجھے

اس طرح بھی نہ مقدر کا لکھا پیش آئے
ہو جوابِ خطِ شوق اپنی ہی تحریر مجھے

اب کوئی راز نہیں سلسلۂ ربطِ جنوں
قید خود ہو گئے پہنا کے وہ زنجیر مجھے

او لگاوٹ سے نظر پھیر کے جانیوالے
لے چلا کھینچ کے ساتھ اپنے ترا تیر مجھے

آرزو موت ہوا زیست کی غفلت کا مآل
خود بنی خوابِ گراں خواب کی تعبیر مجھے

۱۵۰
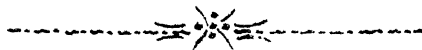
جو اسکے کوچے سے اُٹھے وہ گرد ہو کے اُٹھے
گرے تھے صورتِ اشک آہ سرد ہو کے اُٹھے

نظر کے تیر کا مارا کوئی نہیں اتنا
پکڑ کے ہاتھ میں تلوار مرد ہو کے اُٹھے

خزاں پہ دیکھ لی بیٹھے جو اس چمن کی بہار
مثال برگِ خزاں دیدہ زرد ہو کے اُٹھے

یہ بھی تری نگہِ التفات یا پتھر
وہ چوٹ کھائی جگر پر کہ درد ہو کے اُٹھے

اک اضطراب بھی یا مشتِ خاک کی ہستی
غبار بن کے جو بیٹھے تو گرد ہو کے اُٹھے

نہ زندگی میں ہوئی سوزِ عشق کی تکمیل
وہ شمع ہم تھے کہ محفل سے سرد ہو کے اُٹھے

میان کوئے وفا بیٹھے آرزو اس طرح
کہ پھر کبھی جو اُٹھے بھی تو گرد ہو کے اُٹھے

۱۵۱

کیا بدگمان ہیں میرے دلِ ناصبور سے
آتے بھی ہیں تو پوچھتے ہیں حال دور سے

اتنا نہ دل جلے کو جلاؤ کہ رو پڑے
ڈوبے گا عالم اُٹھے گا طوفان تنور سے

بہتر نہیں جو تجھ سے تو بدتر ہے ہم سے کون
ہم بھی یہ ناز سیکھے ہیں تیرے غرور سے

عبرت کا آئینہ ہے مگر روئے چارہ ساز دیوانہ کر کے شکوۂ دیوانگی ہے کیوں	ہم آپ اپنے حال کو تکتے ہیں دور سے ایسے ہی کام ہوں گے دل ناصبور سے

دیتا ہے ہم کو چاک گریباں کا آرزو
دو چار تار کھینچ کے دامان حور سے

۱۵۴

کیا ہے کعبہ کا دیر سے رخ کہ کچھ بیان قدر ہی نہیں ہے
وہاں بھی مل جائے گا کوئی بت خدا کے گھر میں کمی نہیں ہے

بتا چکا ہے نظام فطرت کہ مینہ برسے گا بے ضرورت
ٹپک رہے ہیں جو اشک حسرت تو آگ دل کی بجھی نہیں ہے

جو دل خدا دے تو درد بھی دے وہ درد جو عمر بھر نہ جائے
مزے نہ حاصل ہوں زندگی کے تو زندگی زندگی نہیں ہے

یہ ہوش کب محو دید کو تھا کہ کیا تقاضا ہے شوق دل کا
گنہ کیا ہے مگر ادھورا بھرا تو ہے جام پی نہیں ہے

وہ کیا محبت کی کامیابی کہ رہتے ہم خود رضا پہ راضی

کوئی تمنا ہوئی جو پوری تو کچھ یہ سچی خوشی نہیں ہے

یہ میں نے کیا اک جہاں نے دیکھا کہ تم ہو پردہ میں جلوہ آرا

مگر یہ بے فیض کیسا جلوہ کہ چاند ہے چاندنی نہیں ہے

مرے تھے جل جل کے سوز غم سے مگر ہوئے مر کے بھی نہ ٹھنڈے

جو آپ دل میں لگا گئے تھے وہ آگ اب تک بجھی نہیں ہے

کہے نہ کچھ آرزو زباں سے تو ایک چپ کے ہیں لاکھ معنی

سنے ہیں کانوں سے کتنے قصے زبان پہ ایک بھی نہیں ہے

۱۵۲

مست آنکھ پر فریب دغا کھا کے گر پڑے — دیکھا چھلکتا جام تو للچا کے گر پڑے

ہم ایسے ناتوانوں کا کیا کوچہ میں مقام — راہ طلب میں چار قدم جا کے گر پڑے

افتادگی ہے تابع پست و بلند راہ — ٹھوکر سے جو سنبھل گئے تیورا کے گر پڑے

دیکھو اس قدر لپٹ کے نہ چل اے ہوائے یاس — دامن سے پھول باغ تمنا کے گر پڑے

بے لاگ تھی جو شعلۂ جاں سوز کی لپک
پہنچی دھمک دماغ پہ بھی دل کی چوٹ سے

پروانے کیا سڑی تھے کہ آ آ کے گر پڑے
اک بت سے آنکھ لڑتے ہی تیورا کے گر پڑے

ہم صید گاہِ ناز میں آتے ہی آرزو
تھے مرغِ تیر خوردہ کہ لہرا کے گر پڑے

۱۵۳

غم دے تو دل بھی شمع کا پروردگار دے
جو ساری عمر ایک طرح پر گزار دے

جس دل میں ہو نہ کیفِ محبت وہ دل نہیں
ساغر وہ ہے جو بوئے مئے خوشگوار دے

اک انتظارِ وعدۂ دیدار کے لئے
مہلت کچھ اور زندگیِ مستعار دے

لازم ہے ثبت نامۂ الفت پہ مہر بھی ہو
لیتا ہے دل، تو داغ بھی اسے گلعذار دے

ہر وقت ہے کبھی ہو نہ سکا شوق دید سے

جاتے ہوئے حواس کو بڑھکر پکار دے

بے اختیار ہوکے رہا دل تو کیا رہا

ایسی فضول شے بھی نہ پروردگار دے

ہے کیف زندگی کا نتیجہ کوئی نہیں

دے اضطراب بھی جو خدا انتظار دے

ہوتا ہے خامشی سے بھی اظہار حال دل

خالق زبان دے کہ نہ دے اعتبار دے

انسان کے ذلیل بھرتا جو کچھ ہو زبان ہے

یہ ایک پانسہ پھینک کے جو چاہے ہار دے

مانا پئے گا جوش جوانی میں آرزو

غفلت میں یہ شراب تو تا کہ گزار دے

۱۵۴

زور سے بلبل کے پر صیاد نے جب کس دیے
مشکل آسانی میں عاجز ہو رہے ہیں عقل و ہوش
قصہ کم تیرے دیوانے کا کیا دلچسپ تھا
ظلم میں اندھیر اک ایجاد ہے صیاد کا

اپنا اپنا دل ہے شبنم رو دی غنچے ہنس دیے
مجھ کو مجبوری جو دی غنچہ [illegible]
مجھ کو [illegible] دیے
توڑ کر بلبل کے پر بازو اسی کے کس دیے

کارسازی مالک قسمت کی دیکھو [illegible]
کھولنے کو ایک اک عقدے کو ناخن دس دیے

۱۵۵

جن میں مزہ تھا خواب وہ یارانے ہو گئے
اگلے جو تذکرے تھے اب افسانے ہو گئے
انجام عشق پر ہیں مرے لوگ دل اداس

تیار زندگی سے عزاخانے ہو گئے

تشہیر کرتے پھرتے ہیں گلیوں میں لاش کو

میں مر گیا تو سیکڑوں دیوانے ہو گئے

بے فیض ہو کے جلوے نے زنجیر توڑ دی

آزاد شمع بجھتے ہی پروانے ہو گئے

وارفتگی نے اپنی بدل دی جہاں کی خو

اپنے نگاہ پھیر کے بیگانے ہو گئے

۱۵۶

کیا عالمِ یکرنگیِ نیرنگ فراواں ہے

ہر برگ گل اک گل ہے ہر گل چمنستان ہے

رفتار زمانہ کے تابع ہیں ثوابت بھی

ہر نخل کا سایہ تک اک سرو خراماں ہے

غفلت کی ہے بیماری یہ ہوش کسے ورنہ

جس درد سے مرتے ہیں یہ درد ہی درماں ہے

جو داغ ہیں افسردہ آخر کو جل اُٹھیں گے

تعزیر محبت میں سامان چراغاں ہے

ہر حال میں جو خوش ہے وہ آرزوؔ غمگین ہو

دیوانہ سا اک انسان کافر سا مسلماں ہے

۱۵۷

سانس چلی دم بھرنا سیکھے

جان گنوا کر مرنا سیکھے

ہم نے سیکھی پریشاں حالی

گیسواں کے سنورنا سیکھے

بیٹھ کے تنہا جی گھبرایا

دل سے باتیں کرنا سیکھے

ہم وہ حباب بحر فنا تھے

طوفاں سے جو اُبھرنا سیکھے

آرزوؔ اور نہ کچھ کام آیا

ٹھنڈی سانسیں بھرنا سیکھے

چہل چنغ

ہو القادر

گلشن میں گلوں کو رنگ و بو دیتا ہے گونگے کو زبان بہرے کو کان اندھے کو آنکھ	بے مانگے گھر کو آبرو دیتا ہے جو دے نہ سکے کوئی وہ تو دیتا ہے

(دنیا چھوڑو تو عقبیٰ ملے گی)

نقصان سے ڈر مدعا ملتا ہے محفل میں کہاں نصیب لطفِ خلوت	بے آس ہوئے سے آسرا ملتا ہے سب چھوٹتے ہیں جب تو خدا ملتا ہے

(دنیا ہر زمانہ کے لئے نئی ہے)

ماضی کو حال کوئی کہنے کا نہیں ہر ایک زمانے کے ہیں نیرنگ جدا	سیدھا دریا الٹ کے بہنے کا نہیں جو تھا وہ نہیں جو ہے یہ رہنے کا نہیں

(موجودہ حالت سے آئندہ کی امید باندھنا غلطی ہے)

پہلے سے امیدِ کامرانی کیسی جب ساتھ زمانے کے بدلتا ہے مزاج	طفلی کیا جانے ہے جوانی کیسی پھر تجربہ کیا مزاجدانی کیسی

(قول جبتک فعل کا جامہ نہ پہنے قابل اعتبار نہین)

باتون مین کسی کی نہین آنا اچھا
ہے عہد وفا کا آزمانا اچھا
اس رشتۂ خام کو ذرا کس کے بھی دیکھ
بودا ہے اگر تو ٹوٹ جانا اچھا

(دہشت عقل کی دشمن اپنی شمع کے لئے آپ ہوا کا جھونکا ہے)

ہمت کو جو بزدلی گھٹا دیتی ہے
ناکامی منزل کا پتا دیتی ہے
جس غار کی دہشت سے لرزتے ہین قدم
دہشت اُسی غار مین گرا دیتی ہے

(دولت جا کر پھر واپس آتی ہے مگر گئی آبرو پلٹ کر نہین آتی)

پا سکتا ہے پھر جو زر لٹائے کوئی
کیا پائے جو آبرو گنوائے کوئی
بکھرے ہوے موتی تو سمٹ سکتے ہین
ٹپکے ہوے اشک کیا اُٹھائے کوئی

(کامل ناامیدی مطمئن کر دیتی ہے)

دل ٹوٹ چکا امیدواری کب تک
کب تک یہ فغان یہ آہ و زاری کب تک
احساس مٹا تو دردِ دوری تا کے
جب درد نہین تو بیقراری کب تک

(آرام کی ہوس تکلیف بڑھاتی ہے)

جو شوق کی حد سے آگے بڑھ آتے ہین
وہ عیش کی جستجو مین دُکھ پاتے ہین
انجام ہوس کب ہے خلش سے خالی
گُل توڑنے مین خار بھی چُبھ جاتے ہین

(ذاتی جوہر بھی اکتسابی جلا سے چمکتے ہین)

جو اہلِ ہنر کا ہمنشین ہوتا ہے
وہ لائقِ داد و آفرین ہوتا ہے
کان مین ہو یاقوت تو ہو ریزۂ سنگ
ہاں سان پہ چڑھنے سے نگین ہوتا ہے

(نمایشی اخلاق خباثتِ دل کی اصلاح نہین کر سکتے)

باطن مین جو عیب جاگزین ہوتا ہے
ظاہر کی صفا سے رد نہین ہوتا ہے
ہے جرم مین جس کے نقص یہ یاد رہے
کب صاف جلا سے وہ نگین ہوتا ہے

(قناعت باعثِ عافیت ہے)

ہون دل کا غنی حرصِ زر و مال نہین
یعنی کہ تمنائے پر و بال نہین
ہے قابلِ قدر عافیت گاہ قفس
ہون سبزۂ دیوار کہ پامال نہین

(فضول باتین سوچنے کا انجام دیوانگی ہے)

سوچے سے قفس نہ آشیانا ہوگا
قابو مین نہ برگشتہ زمانا ہوگا
ہے وجہ زیان یہ آسیا گردانی
پتھر ہی گھسے گا جب نہ دانا ہوگا

(آرام طلبی موت کا پیش خیمہ ہے)

بے کار نہ بیٹھ ورنہ پچھتائے گا
بے شغل رہا تو جی بھی گھبرائے گا
مردہ ہے وہ پیکر نہ جس مین حرکت
پرزہ نہ چلا تو زنگ کھا جائے گا

(جو چیز اپنے کام میں نہ آئے وہ اپنی نہیں)

دونوں یکساں ہیں جب زمانہ چھوٹا
جیتے بھی نہ چھوٹا کہ خزانہ چھوٹا
بربادیِ خاشاک سے کیا کام اسے
جس مرغِ چمن سے آشیانہ چھوٹا

(دلی جذبہ کی لہر چہرے تک پہونچتی ہے)

پردہ یہ نہیں نگاہ کا دھوکا ہے
دراصل وہی راز ہے جو پردا ہے
رخ صاف بنا دیتا ہے دل کی حالت
تصویر ہے پیچھے آگے آئینا ہے

(فریب کا اثر خود غمازی کرتا ہے)

صورت گر حال ہے چھپانا تیرا
تصویر خیالات ہے نقشا تیرا
چہرہ ہے وہ فانوس کنول جس کی ہے شمع
خود پردۂ در راز ہے پردا تیرا

(عادت طبیعت ثانی ہے)

میخوار ہے ہوش بیخودی ساقی ہے
اس دور میں خود ضرر کی مشتاقی ہے
مانا یہ تعلقات ہیں قابلِ ترک
اب ترک پہ اختیار کب باقی ہے

(سرکشی کا نتیجہ پستی اور فروتنی کا انجام سربلندی ہے)

کب نخلِ غرور بارور ہوتا ہے
بدذائقہ کبر کا ثمر ہوتا ہے
ہے خاک نشینی سببِ نشو و نما
بو جاتا ہے دانہ تو شجر ہوتا ہے

(اوچھی طبیعت کی مثال، اتھلے کٹورے کی ہے)

دعوے جو زبانوں سے نکل پڑتے ہیں ۔ اُٹھتی ہے ہنسی بات خلل پڑتے ہیں
ہے شانِ ہنر سکوتِ اہلِ ادراک ۔ تھوڑے میں تنک ظرف اُبل پڑتے ہیں

(حقیقی آرام بے تعلقی میں ہے)

تحصیل میں دنیا کی پریشانی ہے ۔ ایذا کا سبب تحملِ گرانی ہے
دامن نہ بچے خارِ تعلق سے اگر ۔ تجرد میں لباسِ عریانی ہے

(جیسی کرنی ویسی بھرنی)

آتی ہی کبھی چال فلک چلتا ہے ۔ جو آگ لگائے خود بھی وہ جلتا ہے
اس خاک میں ہے نشو و نما کی قوت ۔ ہر طرح کا نخل پھولتا پھلتا ہے

(مکافاتِ عمل کا نام مظلومی نہیں)

ظاہر ہے سکوت سے کہ دل شاد نہیں ۔ پھر لب پہ فغان و آہ و فریاد نہیں
کیا خود ہے یہ انتقام اتنا تو بتا ۔ کیوں طالبِ انتقام بیداد نہیں

(دشمن اگر قویست نگہبان قوی ترست)

کب صلح کا ہے پیام لینے والا ۔ زورِ بازو سے کام لینے والا
کمزور ہے آرزو اگر حالِ جور ۔ شہزور ہے انتقام لینے والا

(زندگی کے راستے کی درمیانی منزل زوال ہے)

کوشش سے بلندی پہ بشر جاتا ہے — پستی کی طرف بغیر قصد آتا ہے
دنیا کی چڑھائی پر ہے دشوار قیام — تھمتا ہے جہاں پاؤں پھسل جاتا ہے

(سچ بولنے والے کو خاموش رہنا پڑتا ہے)

کس طرح غم ہجر کا افسانہ کہوں — یہ سوچ رہا ہوں کہ کہوں یا نہ کہوں
سچ کہنے سے ہے مجھ کو خموشی اچھی — حیران یہ ہوں کہ کیا کہوں کیا نہ کہوں

(ناہستی چیزوں کا عدم وجود برابر ہے)

بے سوز ہے گر تو ساز بھی ساز نہیں — نغمہ جسے کہتے ہیں وہ آواز نہیں
ویران رہا تو آشیانہ ہے سو ہے — پر ہیچ ہیں گر طاقت پرواز نہیں

(آئین جہانداری)

قابو میں اگر ہو کوئی طاعت کرنا — لازم نہیں جبر و ظلم و بدعت کرنا
پھر دونوں جہان کی سلطنت حاصل ہے — آ جائے اگر دل پہ حکومت کرنا

(اپنے اوپر حکومت کرنے والا کسی کا محکوم نہیں)

احکام الٰہی کی اطاعت سیکھو — نہ ظلم سے عاجز ہو عدالت سیکھو
آ جائے غلامی میں مزہ شاہی کا — خود نفس پہ اپنے ہی حکومت سیکھو

(فریبی دوست سے صاف گو دشمن بہتر ہے)

ہے دشمن تو کہ دوست دیرینہ ہے
رکھتا ہے غبار صاف یا سینہ ہے
ہو جائے اگر باطن و ظاہر یکساں
دل صاف ہو تو جیب بھی آئینہ ہے

(زندگی کا مآل موت ہے)

دنیا میں کس آغاز کا انجام نہیں
ہے کون جو خورشید لب بام نہیں
پیری یہ ہے ختم آمد و رفت حیات
اس صبح کے بعد پھر کوئی شام نہیں

(موجودہ حالت کو عیش گزشتہ کی یاد سے مصیبت نہ بناؤ کیونکہ آئندہ یہ وقت زمانۂ عیش معلوم ہوگا)

اسباب غم ماضی سے جو مشغول ہوگے
اس نعمت حال کو بھی خود کھوؤ گے
کیا روتے ہو آج یاد کرکے کل کو
کل آج کے واسطے نہیں روؤ گے

(انتہائی ظلم قتل نہیں نیم جانی ہے)

قاتل ہی وہ کیا کہ جس نے زندہ چھوڑا
اوچھا جو پڑا ہاتھ تو ایسا چھوڑا
ہے قتل سے بڑھ کے جرم بے پروائی
مرنے سے ہے بدتر جو سسکتا چھوڑا

(مرگ انبوہ وہیں تک جشن ہے جہاں تک خود محفوظ ہے)

آشوب بلا جو کوئی آغاز ہوا
خوش تھے کہ در تماشا اک باز ہوا
جب بن گئے سیر گاہ عبرت خود بھی
فریاد کا قہقہہ ہم آواز ہوا

(اپنی معرفت بھی خدا کی معرفت ہے)

ہے موت جو بیمار دوا کو بھولا — گمراہ ہوا راہنما کو بھولا
آئینۂ معرفت عبودیت ہے — جو آپ کو بھولا وہ خدا کو بھولا

(مظلوم کو ظالم قرار دینے سے بدتر کوئی ظلم نہیں)

تکلیف بھی ہو جاتی ہے آرام کے بعد — ہے قہر اگر صبح ہو شام کے بعد
یہ جرم ہے خون بے گنہ سے بڑھ کر — اقدام کا اتہام اقدام کے بعد

(حریص طمع اپنے ذرا سے فائدے پر دوسرے کے کل منافع قربان کر دیتے ہیں)

تن مرغ کباب کا کہ صد پارا ہے — خود عبرت صید گہ کا نظارا ہے
وہ نغمۂ زندگی جو تھا خوانِ نعیم — اک بے پروا زبان کا چٹخارا ہے

(مظلوم کا نالہ ظالم کے لئے ترانہ تہنیت بنتا ہے)

مستوجبِ ایذا ہے جو بیچارہ ہے — ناکردہ گناہی میں بھی کفارہ ہے
ظالم کو ہے تہنیت فغانِ مظلوم — جرم مردہ ظفر کا نقارہ ہے

(تکلیف دینے کی فکر سے راحت اٹھانے کی کوشش بہتر ہے)

پیدا ہوئے خالق کی عبادت کے لیے — یا رشک و حسد بغض و عداوت کے لیے
اوروں کے ستانے میں ہے جتنی تکلیف — اے کاش وہ ہو اپنی ہی راحت کے لیے

دل صد پارہ

دوسرے ہی کی مرضی پر ہے جب انجام محبت کا — چھوڑا ہے قسمت ہی پر نا کیوں اپنی قسمت کا

اے ... کے منزل کا عالم ہی نرالا ہے — نہ ہنسنا اچھا نہ رونا اچھا نہ جینا اچھا نہ مرنا اچھا

دوست سمجھے تھے جسے وہ دشمن جانی نکلا — جام سینے میں تلوار کا پانی نکلا

پوچھا تو نہ مجھ بیدل سے اس کوچہ میں کیوں جانا چھوڑا
اغیار نے چھوڑی طعنہ زنی احباب نے آنا چھوڑا

مآل محبت زبون ہو گیا — یہی عشق آخر جنون ہو گیا

یوں الجھ گئے تار دل کہ عقدہ سا بن گیا — قرطاس پہ گرے آنسو اک داغ بنا گیا

افسردگی میں جینے سے دل سیر ہو گیا — بجھتے ہی اس چراغ کے اندھیر ہو گیا

ناکام تمہارے وعدے نے تنگ کرنا جو نہ تھا وہ کام کیا
گردن پہ چھری تو پھیری خود اور قاتل کو بدنام کیا

جہاں میں تختۂ مشق جفا سے آسماں میں تھا — وہیں موجود تھی ہر طرح کی آفت جہاں میں تھا

کوئی کم ظرف ٹھوکر کھا کر پھر اٹھ نہیں سکتا — نہ چھلکے جام کا پانی سمیٹا جا نہیں سکتا

بعض بت کہتے ہیں بعض اُسکو خدا کہتے ہیں | سُن کے وہ کچھ نہیں کہتا ہے کیا کہتے ہیں

نہ کیونکر آتش تر کی ہو رنگت دل کے چھالوں میں
بھری ہے آگ پانی ہو کے ساقی ان پیالوں میں
نہیں ہے اشک ریزی کی اجازت بھی غریبوں کو
کہاں کا صبر کیسا ضبط روتے ہیں نصیبوں کو
رندِ دعوت کر رہا ہے پھیرتا ہے جام کو
پی لے اے زاہد اسے یا ترک کر اسلام کو
چلے کیوں خود بھی سیدھی چال جب اُلٹا زمانا ہو
چلا جا اُس کے قابو میں جسے قابو میں لانا ہو

بُرا تھا راہِ طلب میں نکالنا مجھکو | چلا میں بیخودی غم سنبھالنا مجھکو
وسی نرگس کا ہے ہر رنگ بہار آلودہ | مست آنکھ اُسپہ ستم یہ کہ خمار آلودہ
جام دل ٹوٹنے کا رنج ہے ساقی باقی | مٹ گیا لفظ مگر ہیں ابھی معنی باقی
پھر مرے زہد کے سامان پہ تباہی آئی | قصد توبہ کا کیا تھا کہ گھٹا ہی آئی
بہت کچھ ابتدائے عشق میں دلداریاں ہونگی | وہ جب قابو میں کر لینگے غضب آزاریاں ہونگی
اچھی کچھ اس چمن کی آب و ہوا نہ دیکھی | خوش رنگ گل تو دیکھے بوئے وفا نہ دیکھی

تڑپ اُٹھتا ہون مین جب چوٹ الفت کی اُبھرتی ہے
کوئی بے درد کیا جانے کہ اس پر کیا گزرتی ہے

جانے والے آکے نیرنگ چمن دکھلا گئے
چار دن مین چار گل مہکے کھلے مرجھا گئے

مال اُس نے ہزارون مارے ہم بھی پھنستے پھنستے چھوٹے
دل لے گئے تجھ سے پھر خیر ہوئی سودا غرض تا سستے چھوٹے

رات ساری جسے آنکھون مین بسر ہوتی ہے | آپ کیا ہین اُسے دُنیا کی خبر ہوتی ہے

سوکھے ہوے ورق پہ ہر گل کے یہ لکھا ہے
دلچسپ ہر نظارہ پردہ فریب کا ہے

خاک کا پتلا ہی انسان جس کا نام ہے | خاک ہی آغاز ہی اور خاک ہی انجام ہے
جانے کو نہ رستہ نہ ٹھہرنے کو زمین ہے | کس بے کس کا کام کہان ہی نہ نہین ہے
دل تو آپ ایک بلا ہے اسے رد کون کرے | خود جو آفت مین پڑے اُس کی مدد کون کرے
نہ تڑپا جاتا ہے خود سے نہ صبر ہوتا ہے | غرض جو ہوتا ہے اب تو بجبر ہوتا ہے
جی مین آتا ہی کہ تھوڑا اور بھی رو ڈالیے | جب وہ آنسو پونچھ کر کہتے ہین منھ دھو ڈالیے
سوز جگر کی بیہودہ آگ بھڑکے ہزار ضو نہ دے | شمع ہو اس دل کی نہ جلنے مین جو کہ بو نہ دے

ماناکہ نہین تم پیش نظر آنکھون مین چمک سی کسکی ہے
سچ کو تو چھپایا پردے سے پردے مین جھلک سی کسکی ہے

یہان فقیر ہے تو انکے بستر سا تقدیر ہے
جس جگہ انسان پہونچے گا مقدر ساتھ ہے

جیسے چراغ دل افسردگی مین جلتا ہے
کہ سانس لینے مین ٹھنڈی ہوا سون نکلتا ہے

قسمت سے سودائون کا یون ساتھ مین لینا بہتر ہے
یا آخر دا اثر گا اسے نادر دل ہاتھ مین لینا بہتر ہے

بس ہے کہ تعلق دل کو نہین بے سود وہ ساری دنیا ہے
ہم کو تو ہے اس دنیا سے غرض جتنی کہ ہماری دنیا ہے

حالتین سب بدل گئین عمر لیں اب محال ہے
وصل سے ہجر ہو چکا ہجر سے پھر وصال ہے

یہی کہتے ہین رنگا رنگ گل ہر خاک تربت کے
یہ وہ پردہ ہے جس مین سیکڑون جلوے ہین قدرت کے

ہے اور بھی وہ شمع تابان فانوس مین جس کا اجالا ہے
پہچان گئین اس کو آنکھین جس بت نے یہ پردہ ڈالا ہے

تو ہے دل کے نزدیک یاد دلانے والے
سونے دیتے نہین راتون کو جگانے والے

اک ہم نہ رہے عشق کا چرچا تو وہی ہے　　مجنون نظر آتا نہین صحرا تو وہی ہے

برے ہین یا بھلے اس مین کسی کا کیا اجارا ہے
کہ ہم اس کے ہین جس حالت مین بھی ہون وہ ہمارا ہے
امید وصل مین ایذا جدائی کی گوارا ہے
کہ وہ زندہ بھی کر سکتا ہے جس نے ہم کو مارا ہے

امید نیک تجھ سے فلک اصلا نہین ہے　　یہان دل مین دگر نہ تمنا کیا نہین ہے

چھوٹا خدا بھی بت بھی خفا مرتے دم ہوئے　　ہم عشق کا برا کہ کہین کے نہ ہم ہوئے

کیا بتاؤن بڑھتے بڑھتے کیا سے کیا ہو جاؤگے
آج تو بت ہو مگر کل تک خدا ہو جاؤگے

آنکھین نہ تھین کہ گردش قسمت کو دیکھتے　　بدلی نگاہ رہ گئے صورت کو دیکھتے

تجھے تو ہم کیا کہین ستمگر کہ جس کا دل صاف ہی نہین ہے
مگر ہے کہنے مین بات آتی جہان مین انصاف ہی نہین ہے
کوئی پرسان درد و غم نہین سب خلق ہنستی ہے
مرا رونا بھی وہ ہے جس پر اک حسرت برستی ہے

یون آئے تو پھر کیونکر آئی ہوئی ٹل جائے　　دیوار گرے سر پر اور پاؤن پھسل جائے

اب آہ بھی کیا ہجر کے بیمار نہ کرتے	مانا مرضِ عشق کا اظہار نہ کرتے

کمال ہے منھ سے کچھ نہ کہنا کلام کرنا کمال کیا ہے
سمجھ لیں خود ہی سمجھنے والے کہیں یہ ہم کیوں کہ حال کیا ہے
غفلت کی بھی اک حد ہے چونکے تو بتا دیں گے
لی ہم نے جہاں کروٹ دُنیا کو ہلا دیں گے
پوچھے بھی حالِ دل وہ نزدیک آبھی جائے
ہم تو کہیں سبھی کچھ جب کچھ کہا بھی جائے
بھری جس وقت ٹھنڈی سانس داغِ دل چمک اٹھے
ہوا سے اُڑ گئی جب راکھ انگارے دہک اُٹھے
طبیب حیران ندیم نالان گزر چکی شب سحر ہوئی ہے
یہاں ابھی تک ہے ایک حالت اِدھر کی دُنیا اُدھر ہوئی ہے
اب جان بلبی نے عاشق کی یہ خوشخبری پہونچائی ہے
جب تم نہ مسیحائی کو گئے پرسش کے لیے موت آئی ہے

اے بیخودی سنبھال کہ وقتِ مدد یہ ہے	وہ پاس ہیں اُداس عجب وقتِ بد یہ ہے
کیا جو تم نے ہم ایسا کریں خدا نہ کرے	کرے تو وعدہ قسم کھا کے اور وفا نہ کرے

قسمت کے لکھے کی کس کو خبر کیا سوچتے ہین ہوتا کیا ہے
ہیں جس کے سبب رسوائے جہان وہ بھی سودائی کہتا ہے

غم غلط کرتی ہے مجھ بیکس کا ناشادی مری
خاک اُڑاتی ہے مری تربت پہ بربادی مری

اسیر زلف ہو کر یون ہمارا دل دھڑکتا ہے
کہ جیسے دام مین پھنسکر کوئی طائر پھڑکتا ہے

کوئی ظالم منفعل ہوتا نہین کردار سے
تیرے مقتول اداسوز کے مارے نکلے

توبہ کی ہے تیر نے کس دن لبِ سوفار سے
جب لگا زخم عوض خون کے شرارے نکلے

مجموعۂ قطعات تاریخی

بہ تعزیت انتقال پُرملال علیاحضرت ملکۂ معظمہ قیصرۂ ہند کوئن وکٹوریہ آنجہانی

آن قیصرۂ کہ فاتحہ بُد بجہان	رُو کرد سوءِ عدم بجاہ و حشمت
نالان شدہ گفت آرزو سال وفات	از تاجِ شہی برفت زیب و زینت
	سنہ ۱۹۰۱ء

بہ تہنیتِ تخت نشینی شہنشاہ انگلستان قیصر ہندوستان ایڈورڈ ہفتم۔ در تعمیۂ داخلی

درین دور چون خسروِ ایڈورڈ	ز اقبال زد سکہ بر نیرّین
چہ سالِ مسیحی نوشت آرزو	کہ این تاج و تخت است با زیب و زین

سنہ ۱۹۰۲ء

بنابر تعزیت از اجتماع تعمیۂ داخلی و خارجی

بگلزار جہان از تند بادِ مرگ و اویلا
چنان گل گشت پژمردہ کہ دل شد داغدار از وے
ز ہر دو تعمیہ سالِ مسیحی می شود ظاہر
بیک باغِ حیاتِ آمد خزان رفتہ بہار از وے

۲۰۸ ۔ ۲۰۵۸ ۔ ۱۴۵۲

سنہ ۱۹۰۳ء

بنابر انتقال دولے خان مغنّی لکھنوی کہ در علم موسیقی مشہور بود در تعمیہ خارجی

زد ہر رفت چہ اُستادِ علم موسیقی	کہ بد بہ بزم غنا زہرہ را ادب آموز
برون ز تن نفسش شد کہ دم ز شہنا رفت	نماند صوتِ دل آویز و نغمۂ دلدوز
صریرِ خامہ بگفت آرزوئے فصلی سال	جدا ز نغمہ گداز و ز سازِ مطرب سوز

سنہ ۱۳۰۹ف

--- . . . ---

بنا بر طبع دیوان چہارم محقق بے مثال حضرت حکیم سید ضامن علی صاحب جلال لکھنوی

کلام پھر مرے استاد کا ہوا مطبوع	بلند ملک سخن میں ہے جن کا جاہ و جلال
یہ آرزو نے لکھا سال چوتھے دیوان کا	ہے اب سپہر چہارم پہ آفتاب کمال

۱۳۱۱ھ

بہ تقریب تہنیت قطع شیر نواب اغن صاحب فرزند ارجمند عالی جناب نواب میرزا سلطان علی خانصاحب بہادر موسوی نیشاپوری رئیس لکھنؤ - در تعمیہ خارجی

فرزند چون دو سال و سہ مہ دید در جہان
شادان بگشت مادر و خورسند شد پدر
فصلی ز حکم شرع بگو سال آرزو
کن قطع شیر ۲ ز ہمہ ۹ نعمات خوبتر

۵۱۰ ۱۸ ۱

سنہ ۱۳۰۸ف

بہ تعزیت انتقال نواب روشن آرا بیگم دختر نواب خادم حسین خان صاحب کہ در سال کتخدائی فوت شد

ہے جائے عبرت آگین یہ سیرگاہ ہستی
شکلیں جو ہیں ہویدا پنہاں وہ دم میں ہون گی

جن گل سے صبح وا تو ہے وابستگی تھی دل کو
اس کی خبر کہاں تھی کل یہ نہ ہم میں ہون گی

شمع و گل عروسی کام آئین گے لحد پر
چیزیں خوشی کی شامل اسباب غم میں ہون گی

ماں باپ کی نظر سے پنہاں ہوا جو تارہ
اس کی تجلیاں اب ملک عدم میں ہون گی

تفتیش سال رحلت ہے آرزو تو سن لے
نواب روشن آرا بیگم ارم میں ہون گی

سنہ ۱۳۲۱ ہجری

بنائے تفسیر پارۂ چہارم کلام شریف از تالیفات مولانا سید ابوالقاسم صاحب لاہوری مجتہد

معین دین برحق مولوی سید ابوالقاسم
کہ بود او ناخدائے کشتی ایمان درین قلزم

رقم تفسیر قرآن کرد و پنہان گشت چون معنی
ازین ورطہ شدہ الیاس بعد رہنمائی گم

نوشتم آرزو این سال طبع پارۂ رابع
کہ شد پیدا چہ از دریائے معنی چشمۂ چارم

سنہ ۱۳۲۲ ہجری

بہ تعزیت انتقال پر ملال محقق بے مثال حضرت حکیم میر ضامن علی صاحب جلال مرحوم بہ تعمیہ خارج

چو اوستادم کہ بد فردوسی ہند
سپے تعلیم روح انوری رفت

نوشتم آرزو تاریخ رحلت
بہارِ گلِ زباغِ شاعری رفت
۲۵۸ — ۱۵۸۴

سنہ ۱۳۲۶ھ

بنا بر ترقی فرزند و بینا شدن چشم پدر

آرزو اک وقت میں دوہری مسرت دیکھکر
کیوں نہ آنکھیں ٹھنڈی ہوں کیوں دل کو حاصل ہو نہ چین

تھی جو عشرت کی ترقی دیکھنا مدِ نظر
روشنی آئی میانِ دیدۂ اکبر حسین

قصۂ یعقوب و یوسف ملا مصرعِ سال
نور اک چشم پدر کا ہے عروجِ نورِ عین

سنہ ۱۳۲۷ھ

بنا بر تہنیت تولد شدن پور زادۂ عالی جناب میر مصحف حسین صاحب - رئیس مصطفےٰ آباد

میر مصحف حسین پاک نژاد
یافتند از خدا پسر اشرف

آن پسر ہم چو کتخدا گشتہ
گہر آمد برون ز بطن صدف

آرزو گفت مصرعِ تاریخ
آیتے پاکِ صورتِ مصحف

سنہ ۱۳۲۶ھ

بنا بر طبع دیوان مکرمی جناب منشی محمد نوح صاحب شاگرد رشید حضرت داغ مرحوم رئیس قصبہ نارہ

عجب کلام کلیم سخن بشد تحریر | عداو محو [illegible] داست کلک سر سجود
بسنگ آمد و قرطاس سال طبعش گفت | رسید کشتیِ نوح سخن بکوہِ جود

سنہ ۱۳۲۶ھ

بنا بر تعزیت انتقال حکیم سید محمد مہدی صاحب کمال مرحوم خلف حضرت جلال مغفور

کب قابلِ بیان ہے وہ دنیا میں آرزو | جو دکھ پہ دکھ ستم پہ ستم غم پہ غم اٹھائے
قابو نہ موت پر ہے نہ جینے پہ اختیار | کہتی ہے بے بسی کہ جو چاہے فلک کھلائے
کیا جلد بعد مہر ہوا ماہ بھی غروب | کیونکر جہان آنکھوں میں اندھیر ہو نہ جائے
کم تھا نہ داغ رحلت استاد نامور | جو اٹھ گئے کمال بھی دنیا سے ہائے ہائے
بھولا نہ تھا وہ غم کہ یہ صدمہ ہوا نصیب | آنسو تھمے نہ تھے کہ جو نالے بھی لب پر آئے
دل خون ہو کے بہنے کا رونے میں ہے خطر | ہے خوف ضبط میں کہ جگر غم سے پھٹ نہ جائے
اس کشمکش میں آئی صدائے سروش غیب | بعدِ جلال ہو گیا ختمِ کمال ہائے

سنہ ۱۳۲۹ھ

ایضاً

شاعر شیرین بیان و نکتہ دان باکمال — جب نہ دنیا میں رہے کیونکر فغان لب تک نہ آئے

لکھ دو سال رحلت فرزند استاد آرزو — رونق قبر جلال آج اٹھ گئی دنیا سے ہائے

سنہ ۱۳۲۹ھ

بہ تہنیت نصب دلفریب باغ بنا کردہ عالی جناب مستغنی عن الالقاب میرزا فلک ثنا محمد باقر علی خان بہادر عرف بڑے آغا صاحب المتخلص بہ فلک رئیس لکھنؤ

ہے جو یہ دلفریب باغ جنت ارضی آرزو — غیرت گلشن ارم جس کی بہار بے خزان

فیض نمو سے ہے مدام ایک ہی رنگ صبح و شام — نخل ہر ایک بارور شاخ ہر ایک گلفشان

شاخ قلم ہے گلفشان فکر بنائے باغ میں — سبز ہے کیا ہی بوستان لائق دید دوستان

سنہ ۱۳۲۹ھ

بنا بر فتح مقدمہ جگت رانی کنور صاحبہ سندیلوی از ولایت

گھر گھر جو خوشی پھیلی اک مژدۂ نصرت سے — کسریٰ مجھے یاد آیا قیصر کی عدالت سے

ناحق کا جو تھا دعوی آخر وہ ہوا باطل — جھگڑا ہوا یوں فیصل خالق کی عنایت سے

لندن سے جو تار آیا نصرت کی خبر لایا — نغمہ ہوا کیا پیدا اس ساز مسرت سے

حق چھیننے والون کو حاصل ہوئی مایوسی
جگ رانی کنور یوتی مشہو تھین پہلے ہما
یون سال بکرمی تم اے آرزو اب لکھدو

کچھ خاک نہ ہاتھ آیا انکار وصیت سے
اب راج بھی ہاتھ آیا خالق کی عنایت سے
حقدار نے آخر مین حق پائے عدالت سے

سنہ ۱۹۶۲ بکرمی

بتقریب کتخدائی صاحبزادہ حسن محمود صاحب فرزند عالی جناب نواب شیخ احمد حسین خان صاحب بہادر المتخلص بہ مذاق ۔ رئیس پریانوان

کتخدائی کا حسن محمود کی
دو شرافت کے ہوسے دریا بہم
کوئی کہتا ہے بہارِ تازہ مین
کوئی کہتا ہے قرآنِ نیّرین
اپنی اپنی کہہ چکے سب آرزو

عالمِ امکان مین شہرہ کیون نہو
فوق کیونکر موج پر دین موج کو
دو گلِ نورس ہین یکجا یہ کہو
آنکھ سے دیکھا نہو تو دیکھ لو
اب جو کچھ کہتا ہون مین وہ بھی سنو

مصرع تاریخ برجستہ یہ ہے
گوہرِ نایاب اک رشتہ مین دو

سنہ ۱۳۲۳ھ

بنا بر انتقال پسر اول مصنف از زوجہ ثانی المعروف بہ للّن بعمر سہ سال و شش ماہ

ایک وہ روز بھی آیا تھا کبھی	کہ جو پہونچی تھی ولادت کی نوید
ایک یہ روز سیہ بھی دیکھا	کہ چھپا وقت سے پہلے خورشید
آرزو اب ہے یہ آواز سروش	گُل ہوا ہائے چراغ اُمید

۱۳۳۷ھ

بہ تہنیت تولد شدن فرزند عالی جناب میرزا فلک ناز محمد باقر علی خان بہادر فلک رئیس لکھنؤ

میرزا باقر علی خان صاحبِ اقبال وجاہ
جن کے قبضہ میں ہے گنج خوش نصیبی کی کلید
اُن کے اک دل کو خوشی دو طرح کی حاصل ہوئی
عید کے نزدیک بخشا حق نے فرزندِ سعید
یادگار ہے یہ سالِ تہنیت بھی آرزو
اے فلک اک چاند کا ٹکڑا مبارک قبل عید

۱۳۴۱ھ

بنا بر تعزیت

دختر مہدی حسین اہلیہ ذاکر حسین
پاک دامن پاک طینت خوبرو و خوش سیر
دار فانی سے ہوئین راہی سوِ ملک بقا
بن گیا رختِ عروسی دفعتاً رختِ سفر
بعد شادی گھر مین شوہر کے ہوا اتنا قیام
راہ مین دم لے مسافر جس طرح زیرِ شجر
شمع خلوت بن گئی شمعِ لحد اندھیرے
کیا خبر تھی پھول بستر کے چڑھین گے قبر پر
آرزو ہے سالِ رحلت نوحۂ مرگِ شباب
ہو گئی شمع حیات آہ آہ گل قبل سحر

سنہ ۱۳۴۲ھ

قطعات تاریخی بنا بر طبع دیوان ہذا

از نتیجہ طبع وقاد و ذہن نقاد جناب سید امیر حسین صاحب وکیل حیدر آباد دکن خلف جناب داروغہ میر واجد علی صاحب مرحوم

سخن سنج انور حسین ہمہ دان
نہین کم ہر اک بیت سلک گہر سے
ہیں پاکیزہ الفاظ اچھوتے مضامین
خبر پائی ہے طبع دیوان کی جب سے

تخلص مرے دوست کا آرزو ہے
کلام اِن کا مثل اِن کے باآبرو ہے
نئے پھول ہین اور نیا رنگ و بو ہے
مجھے مصرعِ سال کی جستجو ہے

فروغ آئی ناگاہ آواز ہاتف
یہ لکھدو - کھِلا غنچۂ آرزو ہے

سنہ ۱۳۴۳ ہجری

قطعۂ دیگر

از واقفِ رموز بلاغت جناب قابلی یعقوب علی خان صاحب نصرت لکھنوی

سید انور حسین اے نصرت
جانشین جلال ماہرِ فن

صاحب علم و فضل و فہم و ذکا
شعرائے جہان مین ہین یکتا

اُن کا دیوان پُر بہار ہے جو ۔ گل مضمونِ تازہ سے ہے بسا
باغ ہر صفحہ سرو ہر مصرع ۔ پھول ہر حرف غنچہ ہر نقطا

طبع کے سال پر نظر جب کی
بارورِ نخل آرزو دیکھا

۱۳۴۳ھ

چھاپے کی غلطیون کی تصحیح

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
		مقدمہ	
۸	۱۲	حیرت	جدت
۹	۴	بس	سب
۱۰	۱۷	بارہوتی ہے	بارہوتا ہے
		دیوان	
۱۱	۲	پھیرا	پھرا
۳۶	۱	اودُھر	اودھر
۳۷	۴	غم	جم
۴۹	۵	ین	ہیں
۹۰	۱۳	برسے	ہرسے
۹۱	۱۱	فرنے	فزاے
۱۰۹	۱۱	فنان	فنا
۱۱۶	۲	پہاڑ	چہاڑ
۱۲۲	۲	ہیں بیٹھے	بنے ہیں
۱۲۴	۳	یہ	×
۱۳۸	۱۲	وہیں سے	وہیں دل سے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۵۱	۹	پڑ	×
۱۵۹	۲	بھی	ہی
۱۶۲	۷	بڑی	بڑھی
۱۶۳	۳	آے	آئی
۱۶۸	۳	اے	آئے
۱۸۳	۷	تول دبنا	تول دینا
۱۸۷	۹	بچھوڑینگے	بچوڑینگے
۱۸۹	۱۳	سُہنا	سہنا
۱۹۳	۳	دھوگا	دھوکا
۲۰۳	۱۱	تو	×
۲۱۴	۱۲	گلی	کلی
۲۲۶	۸	تا	نا
۲۲۸	۱۱	سے	کے
۲۵۸	۹	جھلکتا	چھلکتا
~~۲۶۹~~	۱۵	بو	لو